مشرق

کہانی میگزین

27 ستمبر تا 3 اکتوبر 2026

شی جن پنگ کا واشنگٹن دورہ اور ڈونلڈ ٹرمپ کا استقبال

اقوام متحدہ: صہیونی وزیر اعظم کی پیجر اور اسٹار لنک ڈیوائس لہرا کر ہرزہ سرائی

◆ —— ◆

عالمی ثالثی عدالت میں سندھ طاس معاہدے پر پاکستان کے موقف کی جیت

◆ —— ◆

اسلام آباد ’کنٹینر سٹی‘... تحریک انصاف لانگ مارچ

ایک ہزار کنٹینرز کہاں سے آئے اور اِن کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟

◆ —— ◆

امریکہ کا ”جی پی ایس“ سسٹم مفت کیوں؟

امریکہ یہ تمام اخراجات کیوں برداشت کرتا چلا جا رہا ہے؟

◆ —— ◆

’بجلی صارفین اب براہ راست کمپنیوں سے بجلی خریدیں گے‘

کیا نئے حکومتی منصوبے سے صارفین کو فائدہ ہوگا؟

شی جن پنگ کا واشنگٹن دورہ اور ڈونلڈ ٹرمپ کا استقبال

100 فٹ طویل سرخ قالین، فوجی اعزازات اور دو سپر پاورز کے درمیان ایک غیر معمولی لمحہ

دونوں رہنماؤں نے کم از کم مصنوعی ذہانت پر بھی بات چیت کی، تاہم یہ واضح نہیں ہوسکا کہ آیا وہ اس شعبے میں کسی حفاظتی ضابطے یا احتیاطی اقدامات پر متفق ہوئے یا نہیں

...... معظم خان ......

بدھ کی شام جب میری لینڈ کے جوائنٹ بیس اینڈریوز پر ایئر چائنا کا خصوصی طیارہ اترا تو رن وے پر ایک سو فٹ طویل سرخ قالین بچھایا جاچکا تھا۔ اعزازی دستے دونوں جانب صف بستہ کھڑے تھے، امریکی فضائیہ کا بینڈ مارچ کر رہا تھا اور امریکہ و چین کے قومی پرچم ہلکی ہوا میں لہرا رہے تھے۔ دو بی-ا بمبار طیاروں نے تقریب کے مقام کے اوپر سے سپرسونک پرواز کی — ایک ایسا مظاہرہ جو صرف فوجی طاقت کا نہیں بلکہ اس لمحے کی غیر معمولی نوعیت کا اعلان بھی تھا۔ اور سب سے غیر معمولی بات یہ تھی کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ خود خاتونِ اول میلانیا ٹرمپ کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔ وہ چینی صدر شی جن پنگ اور ان کی اہلیہ پینگ لی یوان کا ذاتی طور پر خیر مقدم کرنے کے لیے آئے تھے۔ دونوں رہنماؤں نے مصافحہ کیا، مختصر گفتگو کی اور پھر سرخ قالین پر ساتھ چلتے ہوئے تصاویر بنوائیں۔ یہ 1962 کے بعد پہلا موقع تھا کہ کسی امریکی صدر نے ذاتی طور پر کسی غیر ملکی رہنما کا اینڈریوز ملٹری بیس پر استقبال کیا ہو۔ اس سے پہلے صدر جان ایف کینیڈی نے برطانوی وزیر اعظم ہیرالڈ میک ملن کا اسی نوعیت کا استقبال کیا تھا۔ اس ایک اشارے میں اس دورے کی پوری اہمیت چھپی ہوئی تھی۔

2015 کے بعد شی جن پنگ کا یہ واشنگٹن کا پہلا دورہ تھا۔ تین روزہ سربراہی اجلاس کے دوران دونوں رہنما ملاقاتیں کرتے، سرکاری عشائیے میں شرکت کرتے اور مصنوعی ذہانت، ایران سے متعلق کشیدگی، تائیوان کے مسئلے اور امریکہ چین تجارتی جنگ بندی میں توسیع سمیت کئی اہم عالمی اور دوطرفہ امور پر تبادلہ خیال کرتے۔ اسی روز امریکی وزیر خزانہ سکاٹ بیسنٹ نے اعلان کیا کہ امریکہ اور چین اپنی تجارتی جنگ بندی میں جنوری تک توسیع پر متفق ہو گئے ہیں۔ یہ معاہدہ، جس کے تحت امریکہ نے بعض چینی مصنوعات پر عائد محصولات میں نرمی کی تھی جبکہ چین نے نایاب زمینی معدنیات کی برآمدات سے متعلق کچھ پابندیاں نرم کی تھیں، ۱۰ نومبر کو ختم ہونے والا تھا۔ چینی سرکاری خبر رساں ایجنسی شنہوا میں شائع ہونے والے بیان میں شی جن پنگ نے کہا کہ چین اور امریکہ دونوں عظیم قومیں ہیں اور ان کے عوام بھی عظیم ہیں۔ انھوں نے زور دیا کہ دونوں ممالک کو حریفوں کے بجائے شراکت دار ہونا چاہیے۔ میلانیا ٹرمپ نے فاکس نیوز سے گفتگو میں بتایا کہ انھوں نے اس دورے کے پروگرام کی منصوبہ بندی میں اہم کردار ادا کیا اور ٹرمپ نے خود ہوائی اڈے جا کر استقبال کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا کیونکہ دونوں رہنماؤں کے درمیان بہت اچھے تعلقات ہیں۔ شی جن پنگ کے

ہمراہ اعلیٰ سطح کا چینی وفد بھی آیا، جس میں پولٹ بیورو قائمہ کمیٹی کے رکن چائی چی، نائب وزیر اعظم ہی لی فنگ، وزیر خارجہ وانگ یی اور دیگر سینیئر حکام شامل تھے۔

امریکی وزیر خزانہ سکاٹ بیسنٹ نے اعلان کیا کہ امریکہ اور چین اپنی تجارتی جنگ بندی میں جنوری تک توسیع پر متفق ہو گئے ہیں۔ یہ معاہدہ، جس کے تحت امریکہ نے بعض چینی

اس لیے کیا کیونکہ دونوں رہنماؤں کے درمیان 'بہت اچھے تعلقات' ہیں۔ شی جن پنگ کے ہمراہ اعلیٰ سطح کا چینی وفد بھی امریکہ پہنچا ہے، جس میں کمیونسٹ پارٹی کی پولٹ بیورو قائمہ کمیٹی کے رکن اور شی کے قریبی

مصنوعات پر عائد محصولات میں نرمی کی تھی جبکہ چین نے نایاب زمینی معدنیات کی برآمدات سے متعلق کچھ پابندیاں نرم کی تھیں، 10 نومبر کو ختم ہونے والا تھا۔ چینی نائب وزیر اعظم ہی لی فنگ سے ملاقات کے بعد سکاٹ بیسنٹ نے بتایا کہ دونوں فریقوں نے مستقبل میں ایک زیادہ جامع اور دیرپا تجارتی معاہدے کے امکانات پر بھی تبادلہ خیال کیا۔ چین کی سرکاری خبر رساں ایجنسی شنہوا میں شائع ہونے والے ایک تحریری بیان میں چینی صدر شی جن پنگ نے کہا کہ چین اور امریکہ دونوں عظیم قومیں ہیں اور ان کے عوام بھی عظیم ہیں۔ انھوں نے زور دیا کہ 'دونوں ممالک کو حریفوں کے بجائے شراکت دار ہونا چاہیے۔' اُدھر امریکی خاتونِ اول میلانیا ٹرمپ نے انکشاف کیا کہ انھوں نے شی جن پنگ کے دورے کے پروگرام کی منصوبہ بندی میں اہم کردار ادا کیا۔ فاکس نیوز سے گفتگو میں ان کا کہنا تھا کہ صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے خود ہوائی اڈے جا کر چینی صدر کا استقبال کرنے کا فیصلہ

ساتھی چائی چی، نائب وزیر اعظم ہی لی فنگ، وزیر خارجہ وانگ یی اور دیگر سینیئر حکام شامل ہیں۔
شنہوا میں شائع بیان میں شی نے کہا کہ 'چینی قوم کی عظیم نشاۃ ثانیہ اور امریکہ کو دوبارہ عظیم بنانے کا خواب ایک ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں، ایک دوسرے کو تقویت دے سکتے ہیں اور دنیا کے لیے فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔' انھوں نے اس امید کا بھی اظہار کیا کہ ان کا یہ دورہ دونوں ممالک کے تعلقات میں مثبت پیش رفت اور 'ثمر آور نتائج' کا باعث بنے گا۔ تاہم یہ واضح نہیں ہوسکا کہ آیا چینی صدر اپنے ساتھ کسی بڑے کاروباری وفد یا نمایاں کاروباری شخصیات کو بھی لائے ہیں یا نہیں۔ مبصرین کے مطابق چینی کمپنیوں کی امریکہ میں ممکنہ سرمایہ کاری یا موجودگی، بیجنگ کی صنعتی سبسڈیز، تجارتی پالیسیوں اور اضافی پیداواری صلاحیت سے متعلق دیرینہ امریکی تحفظات کو دوبارہ موضوعِ بحث بنا سکتی ہے۔ اس کے برعکس، گذشتہ مئی میں صدر ٹرمپ کے بیجنگ دورے کے دوران کئی بڑی امریکی ٹیکنالوجی کمپنیوں

ہے، جبکہ شی جن پنگ کا دورہ جمعے کو اختتام پذیر ہوگا۔ یہ دورہ ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب امریکہ اور چین مصنوعی ذہانت کے شعبے میں عالمی برتری حاصل کرنے کی دوڑ میں مصروف ہیں۔ صدر ٹرمپ حالیہ مہینوں میں صنعت کے بعض ماہرین کی جانب سے مصنوعی ذہانت کے ممکنہ خطرات سے متعلق انتباہات کو 'فریب' قرار دے چکے ہیں، جبکہ دونوں ممالک اس اہم ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنی پوزیشن مضبوط بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔
بش چائنا فاؤنڈیشن کے نائب صدر ڈیوڈ فائرسٹین کے مطابق صدر ٹرمپ اس ملاقات کے دوران تجارت اور

2015 کے بعد شی جن پنگ کا یہ واشنگٹن کا پہلا دورہ تھا۔ تین روزہ سربراہی اجلاس کے دوران دونوں رہنما ملاقاتیں کرتے، سرکاری عشائیے میں شرکت کرتے اور مصنوعی ذہانت، ایران سے متعلق کشیدگی، تائیوان کے مسئلے اور امریکہ چین تجارتی جنگ بندی میں توسیع سمیت کئی اہم عالمی اور دوطرفہ امور پر تبادلہ خیال

کے سربراہان ان کے ہمراہ تھے، جن میں ایپل کے ٹم کک، ٹیسلا کے ایلون مسک اور این ویڈیا کے جینسن ہوانگ شامل تھے۔
رپورٹس کے مطابق جمعرات کو ہونے والی سرکاری ضیافت میں امریکی مصنوعی ذہانت کی صنعت کی کئی نمایاں شخصیات کی شرکت متوقع

محصولات سے متعلق مزید پیش رفت کے خواہاں ہوں گے۔ ان کی ترجیحات میں امریکی مصنوعات پر عائد چینی ٹیرف میں کمی، چین سے نایاب زمینی معدنیات کی فراہمی میں اضافہ اور امریکی زرعی مصنوعات کی برآمدات کے لیے بہتر رسائی حاصل کرنا شامل ہے۔ تاہم بعض اشارے یہ بھی ملے ہیں کہ بیجنگ امریکی زرعی اجناس کی خرید بڑھانے اور

امریکہ کو مزید نایاب زمینی معدنیات فراہم کرنے سے متعلق سابقہ وعدوں پر مکمل طور پر عملدرآمد کے لیے آمادہ نہیں۔ فائرسٹین کے مطابق چینی صدر شی جن پنگ ممکنہ طور پر صدر ٹرمپ کو تائیوان کے لیے امریکی کانگریس سے منظور شدہ 14 ارب ڈالر مالیت کے اسلحہ پیکج کو مزید مؤخر کرنے یا منسوخ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ امریکہ اور چین کے درمیان اقتصادی اور تجارتی روابط کو مزید گہرا کرنے پر بھی زور دے سکتے ہیں۔
فائرسٹین کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ دونوں ممالک کے تعلقات میں برسوں سے زیرِ بحث آنے والے وہی بنیادی مسائل ہیں، تاہم اس مرتبہ فضا نسبتاً مختلف دکھائی دیتی ہے۔ ان کے بقول، 'اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ اور چین کے تعلقات میں پہلے کے مقابلے میں زیادہ استحکام پایا جاتا ہے اور گذشتہ سال کے مقابلے میں غیر یقینی صورتحال بھی کم نظر آ رہی ہے۔' شی جن پنگ کا دورہ ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب امریکہ میں چین کے بارے میں عوامی رائے نسبتاً نرم ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔
شکاگو کونسل آن گلوبل افیئرز کے ایک حالیہ سروے کے مطابق 41 فیصد امریکی چین کے علاقائی عزائم کو امریکہ کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں، جبکہ 2022 میں یہ شرح 52 فیصد تھی۔ سروے سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ 57 فیصد امریکیوں کا خیال ہے کہ واشنگٹن کو بیجنگ کے ساتھ تعاون اور رابطے برقرار رکھنے چاہییں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ رجحان امریکی سیاست کے مختلف دھڑوں میں دیکھا جا رہا ہے۔
خود کو 'میگا' تحریک سے وابستہ نہ سمجھنے والے ریپبلکن ووٹروں

میں 57 فیصد چین کے ساتھ تعاون کے حامی ہیں، جبکہ معتدل اور لبرل ڈیموکریٹس کی اکثریت بھی اسی مؤقف کی حمایت کرتی ہے۔ تاہم صدر ٹرمپ کے پُرجوش حامیوں کی اکثریت، یعنی 63 فیصد، چین کے ساتھ تعلقات کو محدود کرنے کے حق میں ہے۔ یہ مؤقف شی جن پنگ کے لیے ٹرمپ کی جانب سے کیے گئے گرمجوش اور غیر معمولی استقبال سے کسی حد تک مختلف دکھائی دیتا ہے۔ سفارتی سرگرمیوں کے علاوہ خاتونِ اول میلانیا ٹرمپ نے اپنی چینی ہم منصب پینگ لی یوان کے لیے سمتھسونین نیشنل میوزیم آف ایشین آرٹ کے خصوصی دورے کا بھی اہتمام کیا ہے، جس کا مقصد دونوں ممالک کے درمیان ثقافتی روابط کو اجاگر کرنا ہے۔
وائٹ ہاؤس کے مطابق یہ تاریخی دورہ نیشنل آرکائیوز کی عمارت میں اختتام پذیر ہوگا، جہاں ٹرمپ اور شی اپنے اپنے شریکِ حیات کے ہمراہ اہم تاریخی دستاویزات کا مشاہدہ کریں گے۔ ان ریکارڈز میں وہ دستاویزات بھی شامل ہیں جنھیں امریکہ اور چین کے تعلقات کی تاریخ میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔
شی جن پنگ کے لیے پریشان کن حقیقت یہ ہے کہ چین کی معیشت دباؤ کا شکار ہے۔ اگرچہ چین دنیا بھر میں ریکارڈ

ٹرمپ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کے دوران بھی کہا تھا کہ وہ آرٹیفشل انٹیلیجنس کی اصطلاح کو تبدیل کر کے اسے 'سپر انٹیلیجنس' کہنا پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کے بقول 'مصنوعی ذہانت' کی اصطلاح اس ٹیکنالوجی کو 'جعلی' یا کم حقیقی ظاہر کرتی ہے۔ انہوں نے ماضی میں بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ امریکہ کو مصنوعی ذہانت کی عالمی دوڑ میں سبقت حاصل کرنی چاہیے۔ اسی ماہ انہوں نے کہا تھا: 'آرٹیفشل انٹیلیجنس کے میدان میں جو جیتے گا، وہی فتح حاصل کرے گا۔' ٹرمپ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ وہ اس شعبے میں نئے اور سخت قوانین نافذ کرنے کے سخت مخالف ہیں۔

اور پھر پانڈا سفارت کاری کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ چین کی جانب سے اٹلانٹا کو پانڈا زِ پنگ پنگ اور فو شوانگ تحفے میں دینے کا اعلان پہلی بار اپریل میں کیا گیا تھا، تاہم اب شی جن پنگ نے بتایا ہے کہ یہ دونوں پانڈا ز چند ہی دنوں میں امریکہ پہنچ جائیں گے۔ اس طرح چین کی معروف 'پانڈا سفارت کاری' ایک بار پھر بحال ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ فی الحال

تعداد میں اشیا فروخت کر رہا ہے، لیکن ملک کے اندر صارفین خرچ کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ نوجوانوں میں بے روزگاری کی شرح بدستور بلند ہے، جبکہ جائیدادوں کی قیمتیں بھی نمایاں طور پر گر چکی ہیں، حالانکہ چین میں تقریباً 80 فیصد لوگ اپنے گھروں کے مالک ہیں۔ ایسے حالات میں تجارت ہی معاشی نمو کو سہارا دینے کا ایک اہم ذریعہ بنی ہوئی ہے، جس سے بیرونی منڈیوں تک رسائی پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہوگئی ہے۔ شی جن پنگ کے لیے ضروری ہے کہ وہ چینی برآمدات کو ان بھاری امریکی محصولات (ٹیرف) سے محفوظ رکھیں جو گزشتہ سال عائد کیے گئے تھے۔

دونوں رہنماؤں نے کم از کم مصنوعی ذہانت پر بھی بات چیت کی، تاہم یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا وہ اس شعبے میں کسی حفاظتی ضابطے یا احتیاطی اقدامات پر متفق ہوئے یا نہیں۔ اس ملاقات سے قبل توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ آیا دونوں رہنما اے آئی کے حوالے سے کوئی ٹھوس فیصلہ کریں گے، مثلاً کسی مشترکہ سربراہی اجلاس کے انعقاد پر اتفاق۔ یہ توقعات اس وقت بڑھ گئی تھیں جب اینتھروپک کے چیف ایگزیکٹو ڈاریو امودی نے ایک مضمون میں مصنوعی ذہانت کی ترقی کو زیادہ محفوظ بنانے کے لیے اس کی رفتار سست کرنے کی تجویز دی تھی۔ اس کے بعد کمپنی کے ایک ممتاز حفاظتی محقق نے خبردار کیا تھا کہ مصنوعی ذہانت کے باعث انسانیت کے خاتمے کا خطرہ '10 فیصد سے زیادہ' ہوسکتا ہے۔ تاہم مذاکرات کے بعد شی جن پنگ کے اس بیان کے سوا کہ مصنوعی ذہانت 'ہمیشہ انسانی کنٹرول میں رہنی چاہیے'، اس معاملے پر کوئی بڑی پیش رفت سامنے نہیں آئی۔ دوسری جانب ٹرمپ حالیہ دنوں میں اس ٹیکنالوجی سے انسانی نسل کے خاتمے کے خدشات کو 'فریب' قرار دے چکے ہیں۔

چینی صدر شی جن پنگ سے ملاقات سے قبل امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا ہے کہ آرٹیفشل انٹیلیجنس بات چیت کے دوران 'ایک بڑا موضوع' ہوگا۔ ٹروتھ سوشل پر جاری ایک پیغام میں ٹرمپ نے لکھا: 'چین کے صدر شی کے ساتھ ایک بڑا دن۔ سپر انٹیلیجنس (ایس آئی) گفتگو کا ایک اہم موضوع ہوگی، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسے اسی حد تک محدود رکھا جائے جہاں یہ اس وقت ہے اور چین کا مؤقف بھی یہی ہے۔'

اس سربراہی اجلاس کی سب سے بڑی کامیابیوں میں سے ایک شاید بیجنگ کے لیے اس کا تاثر (آپٹکس) رہا ہے۔

تائیوان کے معاملے پر بھی شی جن پنگ نے ایک بار پھر واضح کیا کہ اس ملک کو امریکی اسلحے کی فراہمی چین کے لیے ایک سرخ لکیر ہے۔ امریکہ اپنے قانون کے تحت اس بات کا پابند ہے کہ وہ خود مختار طرزِ حکومت رکھنے والے جزیرے تائیوان کو اپنے دفاع کے لیے ضروری وسائل فراہم کرے۔ مئی میں شی جن پنگ نے ڈونلڈ ٹرمپ کو خبردار کیا تھا کہ اگر تائیوان کے معاملے کو غلط انداز میں سنبھالا گیا تو دونوں ممالک 'آپس میں ٹکرا سکتے ہیں یا حتیٰ کہ تنازع میں بھی داخل ہو سکتے ہیں۔' اس کے بعد ٹرمپ نے تائیوان کے لیے 14 ارب ڈالر کے اسلحہ پیکج کی منظوری مؤخر کرتے ہوئے اسے بیجنگ کے ساتھ مذاکرات میں 'ایک بہت اچھا سودے بازی کا پتہ' قرار دیا تھا۔ ممکنہ طور پر شی جن پنگ نے مذاکرات کے دوران اسی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ تائیوان کی حمایت محدود کرنے سے تنازع کے خطرات بھی کم ہو سکتے ہیں۔ جمعرات کو انھوں نے ایک بار پھر امید ظاہر کی کہ امریکہ تائیوان کی آزادی کی مخالفت کے حوالے سے 'درست مؤقف' پر قائم رہے گا۔ تاہم ٹرمپ، جو تائیوان کی مسلسل امریکی حمایت برقرار رکھنے کے لیے دونوں بڑی امریکی جماعتوں کے بعض حلقوں کے دباؤ کا سامنا کر رہے ہیں، نے ابھی تک شی جن پنگ کے ان تبصروں پر کوئی عوامی ردعمل نہیں دیا۔

اقوام متحدہ: صیہونی وزیر اعظم کی پیجر اور اسٹارلنک ڈیوائس لہرا کر ہرزہ سرائی

سٹارلنک کی پیشکش، قاسم سلیمانی کی تصویر اور واک آؤٹ ......اقوام متحدہ میں اسرائیلی وزیراعظم کے خطاب کے دوران کیا ہوا؟

......میگزین رپورٹ......

'میں یہ ڈیوائس (آلہ) ایرانی وفد کو فراہم کروں گا۔ جب وہ اس رجیم کو چھوڑ دیں گے، جیسا کہ وہ بالآخر ضرور چھوڑیں گے تاکہ وہ اپنی کہانی سوشل میڈیا پر بیان کرسکیں گے۔' یہ کہنا تھا اسرائیلی وزیرِ اعظم بنیامین نتن یاہو کا جو جمعرات کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب میں سٹار لنک کی ڈیوائس تھامے ایرانی قیادت پر طنز کر رہے تھے۔ نتن یاہو کا کہنا تھا کہ 'یہ وہ چیز ہے جس سے ایرانی حکومت خوف کھاتی ہے۔ یہ مواصلاتی ڈیوائس ہے جو لوگوں کو سچائی تک رسائی حاصل کرنے کی اجازت دیتی ہے، کیونکہ ایرانی رجیم انٹرنیٹ پر سنسر شپ کے لیے اربوں ڈالر خرچ کرتی ہے۔'

نتن یاہو کے ان الفاظ کے بعد کیمرہ ایرانی مندوبین کے لیے مخصوص نشستوں کی جانب جاتا ہے، جہاں واک آؤٹ کی وجہ سے کوئی موجود نہیں، تاہم ڈیسک پر ایرانی سابق ایرانی کمانڈر قاسم سلیمانی کی تصویر رکھی ہے جو 2020 میں بغداد میں امریکی ڈرون حملے میں مارے گئے تھے۔ سٹار لنک سیٹلائٹس کے ایک وسیع نیٹ ورک کے ذریعے انٹرنیٹ سروس مہیا کرتا ہے۔

ایلون مسک کی یہ کمپنی ان افراد کو تیز ترین انٹرنیٹ کی سروس مہیا کرتی ہے جو زمین کے دور دراز یا دیہی علاقوں میں رہتے ہیں اور انھیں تیز انٹرنیٹ تک رسائی حاصل نہیں۔ نتن یاہو کی تقریر کے اختتام کے بعد جب ایرانی وفد دوبارہ اقوامِ متحدہ کے ہال آتا ہے تو اقوامِ متحدہ میں اسرائیل کے سفیر ڈینی ڈینون سٹار لنک ڈیوائس اقوامِ متحدہ میں ایران کے نمائندے کو یہ ڈیوائس دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہال میں موجود ایرانی نمائندے ناصر اسدی اسرائیلی سفیر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اسرائیلی سفیر نے یہ ویڈیو اپنے ایکس اکاؤنٹ میں شیئر کی ہے جس میں اُنھیں یہ کہتے ہوئے سنا جا سکتا ہے کہ 'آپ نے وزیرِ اعظم کی باتیں سنیں۔ یہ ڈیوائس آپ کے لیے بہت مفید ثابت ہوسکتی ہے تاکہ ایرانی عوام کو اُن کاموں کے بعد آزادی حاصل کرنے میں مدد ملے جو آپ نے ان کے ساتھ کیے ہیں۔' ڈینون ایرانی نمائندے سے کہتے ہیں کہ 'ہم ایران کے عوام سے محبت کرتے ہیں اور وہاں حکومت کی تبدیلی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ وہ دن آئے گا۔'

واک آؤٹ

اسرائیلی وزیرِ اعظم کے خطاب سے پہلے ہی اقوامِ متحدہ کے رکن ممالک کے درجنوں نمائندے اُس ہال سے باہر چلے گئے جہاں اسرائیلی وزیرِ اعظم کی تقریر مقرر تھی۔ اپنے خطاب میں نتن یاہو نے ہال سے جانے والوں کو 'اخلاقی بزدل' قرار دیا۔ اُنھوں نے کہا کہ 'جو لوگ ہال میں موجود رہے لیکن جانے والوں کے خیالات سے اتفاق رکھتے ہیں تو انھیں بھی چلے جانا چاہیے۔' اس دوران ہال میں موجود اسرائیلی وفد کے ارکان نتن یاہو کی حمایت میں نعرے لگاتے رہتے ہیں۔ نتن یاہو کی نیویارک آمد کے موقع پر پولیس نے احتجاج کرنے والے متعدد افراد کو بھی حراست میں لیا جن میں آسکر ایوارڈ یافتہ اداکارہ سوزن سارینڈن اور 'ہیکس' (Hacks) کی ایمی ایوارڈ یافتہ اداکارہ ہینا آئن بائنڈر بھی شامل تھیں۔ حراست میں لیے جانے والوں میں ڈیموکریٹک کانگریشنل امیدوار ڈیرالیزا اویلا شیولیئر اور نیویارک سٹی کونسل کے رکن چی اوسے بھی شامل تھے۔ نیویارک پولیس (NYPD) کے ترجمان نے بتایا کہ پولیس اہلکاروں نے ایک 'غیر طے شدہ مظاہرے' کی اطلاعات پر کارروائی کی، جہاں مظاہرین ایک چوراہے کو بند کر رہے تھے۔

اپنے خطاب میں اسرائیلی وزیرِ اعظم نے لڑائی جاری رکھنے کا عزم ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ 'ہم جیتیں گے، ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔' اسرائیلی وزیرِ اعظم نے ان الزامات کو بھی مسترد کر دیا کہ اسرائیل غزہ میں نسل کشی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اسرائیلی وزیرِ اعظم کے خطاب سے کچھ گھنٹے قبل ایک ریکارڈڈ پیغام میں فلسطینی صدر محمود عباس نے اقوامِ متحدہ کو بتایا کہ اسرائیلی پالیسیوں، خاص طور پر مقبوضہ مغربی کنارے میں یہودی بستیوں کی غیر قانونی توسیع نے 'اپنی سرزمین پر فلسطینی عوام کی زندگی اور وجود' کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ اس سے 'دو ریاستی حل' خطرے میں پڑ گیا ہے، جو اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان امن کے لیے ایک بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ فارمولا ہے۔ محمود عباس نے کہا کہ اسرائیلی فوج کی جانب سے غزہ میں فلسطینیوں کو 'قتل و غارت، تباہی، بھوک اور بے دخلی کی کوششوں کے ساتھ ساتھ نسل کشی پر مبنی جنگ' کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ فلسطینی رہنما اس سالانہ اجلاس سے ویڈیو لنک کے ذریعے خطاب کر رہے تھے کیونکہ انھیں امریکی ویزہ دینے سے انکار کر دیا گیا تھا۔

ترک صدر اور میئر ممدانی اور اُن کی اہلیہ پر تنقید

نتن یاہو نے اپنے خطاب میں ترک صدر اردوغان کو 'ظالم' قرار دیتے ہوئے اُن پر فلسطینی مسلح گروپ حماس کی حمایت کا الزام عائد کیا۔ ترک صدر نے منگل کے روز اقوامِ متحدہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تھا کہ غزہ اور مغربی کنارے کے عوام کو درپیش ناانصافیاں 'انسانیت کے ضمیر کو شدید ٹھیس پہنچاتی ہیں۔' ترک صدر کے دفتر کی جانب سے اسرائیلی وزیرِ اعظم کے بیان پر سخت ردِعمل دیتے ہوئے اسے 'اقوامِ متحدہ کے امن، قانون اور مکالمے' کے اُصولوں کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ اسرائیلی رہنما نے نیویارک سٹی کے میئر زہران ممدانی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ممدانی نے اس سے قبل نتن یاہو کو گرفتار کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا لیکن بعد میں کہا کہ انھیں ایسا کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

اسرائیلی وزیراعظم نے کہا کہ 'جب سے آپ اس شہر کے میئر منتخب ہوئے ہیں، نیویارک میں بہت سے یہودی اب خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتے۔'

ممدانی کے دفتر نے ایک بیان میں کہا کہ نتن یاہو نے 'اپنی تقریر میں ایسے بے بنیاد جھوٹ دہرائے جن کا مقصد فلسطینیوں کی نسل کشی کو جائز یا بے داغ ثابت کرنا تھا۔' نتن یاہو نے ممدانی کی اہلیہ راما دواجی کا بھی ذکر کیا، جنھیں سات اکتوبر کے حملوں کے فوراً بعد فلسطین کے حق میں کی گئی سوشل میڈیا پوسٹس کو 'لائک' کرنے پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ممدانی کی اہلیہ کا حوالہ دیتے ہوئے نتن یاہو نے کہا کہ

'آپ کی اہلیہ نے سات اکتوبر کے قتلِ عام کی تعریف کرنے والی ایک پوسٹ کو پسند (لائک) کیا۔ اُنھوں نے ایک اور پوسٹ کو بھی پسند کیا جس میں کہا گیا تھا کہ تل ابیب کا وجود نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ان بیانات کی مذمت کرنے سے انکار کرتے ہیں۔'

عالمی ثالثی عدالت میں سندھ طاس معاہدے پر پاکستان کے موقف کی جیت

عدالت نے متفقہ طور پر کہا کہ بھارت سندھ طاس معاہدے کو ''معطل'' نہیں کر سکتا۔ عدالت ثالثی کے مطابق: ''سندھ طاس معاہدہ نہ ختم ہوا ہے اور نہ ہی معطل بلکہ مکمل طور پر نافذ العمل ہے اور بھارت اس کی تمام شرائط و پابندیوں کی پاسداری کرنے کا پابند ہے''۔ یہ پاکستان کے لیے سب سے بڑی قانونی جیت ہے

مقصود خالد
بیورو چیف لاہور

31 اگست 2026 کا دن بین الاقوامی قانون اور پاکستان کی آبی سلامتی کے حوالے سے ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ عالمی عدالتِ ثالثی نے سندھ طاس معاہدے کی حیثیت اور 'راتلے ہائیڈرو پراجیکٹ' سے متعلق اپنے تاریخی فیصلے میں پاکستان کے موقف کی توثیق کرتے ہوئے بھارت کے یکطرفہ اقدام کو غیر قانونی قرار دے دیا۔

عدالت نے متفقہ طور پر کہا کہ بھارت سندھ طاس معاہدے کو ''معطل'' نہیں کر سکتا۔ عدالتِ ثالثی کے مطابق: ''سندھ طاس معاہدہ نہ ختم ہوا ہے اور نہ ہی معطل بلکہ مکمل طور پر نافذ العمل ہے اور بھارت اس کی تمام شرائط و پابندیوں کی پاسداری کرنے کا پابند ہے''۔ یہ پاکستان کے لیے سب سے بڑی قانونی جیت ہے۔ کیونکہ 2023 میں بھارت نے معاہدے کو یکطرفہ طور پر معطل کر دیا تھا۔ عالمی عدالت کے اس فیصلے سے دنیا کے سامنے یہ واضح ہو گیا کہ طاقت کے بل پر بین الاقوامی معاہدے توڑے نہیں جاسکتے۔ عدالت ثالثی نے بھارت کی جانب سے پیش کیے گئے تمام دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا اور ایک ایک کر کے ان کی قانونی حیثیت واضح کی۔

عدالت نے واضح کیا کہ ریاستی خودمختاری کسی ملک کو یہ اختیار نہیں دے دیتی کہ وہ یک طرفہ طور پر کسی بین الاقوامی معاہدے کی شرائط سے انحراف کرے۔ بھارت اپنے اس موقف کے حق میں کوئی ٹھوس اور قابلِ قبول ثبوت پیش نہیں کر سکا کہ معاہدے کی ایسی بنیادی خلاف ورزی ہوئی ہے جو اس کے خاتمے یا معطلی کا جواز بن سکے۔ بھارت نے اپنے دلائل میں دہشت گردی کو بھی ایک وجہ کے طور پر شامل کیا تھا، تاہم عدالت نے دوٹوک موقف اختیار کیا کہ ''اگر الزامات کو درست بھی مان لیا جائے تب بھی انہیں معاہدے کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' چنانچہ پانی کے معاہدے کو دہشت گردی کے الزامات سے جوڑنا قانونی طور پر قابلِ قبول نہیں۔ بھارت کی جانب سے جو دلائل پیش کئے گئے اُن میں یہ بھی کہا گیا کہ اب حالات میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں، دونوں ملکوں کے درمیان مسلح تصادم اور جوابی اقدامات کا تذکرہ بھی کیا گیا۔ عدالت نے ان تمام دلائل کا بھی جائزہ لیا اور قرار دیا کہ ان میں سے کوئی بھی بنیاد سندھ طاس معاہدے کو یک طرفہ طور پر معطل کرنے کے لیے کافی نہیں۔ فیصلے کا بنیادی پیغام واضح ہے کہ سندھ طاس معاہدہ سیاسی دباؤ یا یک طرفہ فیصلوں کی بنیاد پر معطل یا ختم نہیں کیا جا سکتا۔

اس معاہدے کی سب سے بڑی شق فریقین کی دوطرفہ رضا مندی ہے۔ عدالت نے معاہدے کی شق نمبر 12 کی یاد دہانی کراتے ہو کہا کہ معاہدے کی واضح شرائط کے مطابق سندھ طاس معاہدہ نہ تو یکطرفہ طور پر ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ اس کی ترمیم کے لیے بھارت اور پاکستان کا باہمی اتفاق رائے سے ایک نئے معاہدے پر دستخط کرنا ضروری ہے۔ یعنی ایک فریق اکیلا اسے معطل نہیں کر سکتا۔ یہ شق اب دنیا بھر کے لیے ایک مثال بن گئی ہے کہ سرحد پار دریاؤں کے معاہدے کتنے نازک اور اہم ہوتے ہیں۔ راتلے ہائیڈرو الیکٹرک پراجیکٹ پر پاکستان نے 5 عبوری اقدامات کا تقاضہ کیا تھا۔ عدالت نے ان میں سے 3 منظور کر لیے۔

اقدام A اور B کے مطابق بھارت کو ڈیم کی دیوار اور پاور انٹیک پر ایک مخصوص سطح سے اوپر کنکریٹ ڈالنے سے روک دیا گیا۔ یہ پابندی جولائی 2027 میں آنے والے نیوٹرل ایکسپرٹ کے حتمی فیصلے کے 90 دن بعد تک رہے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ بھارت اب ڈیم کو اپنی مرضی سے مکمل نہیں کر سکتا۔ اقدام C: بھارت کو مجبور کیا گیا کہ وہ تعمیراتی شیڈول میں کوئی بھی تبدیلی عدالت، نیوٹرل ایکسپرٹ اور پاکستان کو بتائے۔ شفافیت کو یقینی بنایا گیا۔ اقدام D اور E مسترد کر دیے گئے کیونکہ عدالت نے کہا کہ ان کی فوری ضرورت نہیں۔ ماہرین کے مطابق یہ 3 اقدامات پاکستان کے لیے ''پروسیجرل جیت'' ہیں۔ اس سے بھارت کی یک طرفہ تعمیر کو روک دیا گیا ہے۔

ثالثی عدالت کے فیصلے کے نتیجے میں جو تین اہم فوائد حاصل ہوئے ہیں ان کے مطابق یہ بات طے ہو گئی کہ بین الاقوامی معاہدے طاقت کے بل پر نہیں بلکہ قانون اور باہمی رضامندی کے اصولوں کے تحت قائم رہتے ہیں۔ سندھ طاس معاہدے کے معاملے میں پاکستان کا موقف بھی درست ثابت ہوا۔ دوسرے یہ کہ اب پاکستان ہر بین الاقوامی فورم پر یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک غیر جانبدار عدالت نے ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔ تیسرے نمبر پر یہ ہوا کہ اگر بھارت کو یہ اجازت مل جاتی تو کل چین، نیپال، ترکی سمیت تمام بالائی ممالک بھی یہی کرتے۔ عدالت نے پانی کو بلیک میلنگ کا ہتھیار بننے سے روک دیا۔

اب بال بھارت کے کورٹ میں ہے۔ اس کے پاس 2 آپشنز ہیں یا تو عدالت کے فیصلے کو مان کر مذاکرات کی میز پر آئے یا مزید الگ تھلگ ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔

دوسری طرف پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ

1۔ نیوٹرل ایکسپرٹ کے عمل کو تیز کرے تا کہ جولائی 2027 کا فیصلہ جلد آئے۔

2۔ عالمی بینک اور اقوام متحدہ کو شامل رکھے تا کہ دباؤ برقرار رہے۔

3۔ اندرونی طور پر آبی ذخائر اور کینال سسٹم کو بہتر کرے تا کہ کسی بھی صورتحال کا مقابلہ کیا جا سکے۔

31 اگست 2026 کا فیصلہ صرف ایک قانونی دستاویز نہیں ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ 24 کروڑ پاکستانیوں کا پانی کوئی سیاسی سودا نہیں ہے۔ 1960 سے قائم سندھ طاس معاہدہ دو جنگوں کے باوجود برقرار رہا ہے۔ عدالت کے فیصلے نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ یہ معاہدہ دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی اور دشمنی سے کہیں زیادہ مضبوط قانونی فریم ورک رکھتا ہے۔ اس معاہدے کا تحفظ خطے میں تعاون اور استحکام کے امکانات کو زندہ رکھ سکتا ہے جبکہ اس کا خاتمہ عدم اعتماد، کشیدگی اور تصادم کو مزید ہوا دے سکتا ہے۔

اب دنیا کے سامنے قانونی موقف واضح ہو چکا ہے۔ اگلا قدم فیصلے پر عمل درآمد اور معاہدے کی پاسداری کا ہے۔

> اس معاہدے کی سب سے بڑی شق فریقین کی دوطرفہ رضامندی ہے۔ عدالت نے معاہدے کی شق نمبر 12 کی یاد دہانی کراتے ہو کہا کہ معاہدے کی واضح شرائط کے مطابق سندھ طاس معاہدہ نہ تو یکطرفہ طور پر ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ اس کی ترمیم کے لیے بھارت اور پاکستان کا باہمی اتفاق رائے سے ایک نئے معاہدے پر دستخط کرنا ضروری ہے

سندھ طاس معاہدہ اور 'راتلے ہائیڈرو پاور پراجیکٹ'

سندھ طاس معاہدہ (Indus Waters Treaty)

پاکستان اور بھارت کے درمیان دریائے سندھ کے آبی وسائل کی تقسیم سے متعلق ایک اہم بین الاقوامی معاہدہ ہے۔ یہ معاہدہ 19 ستمبر 1960ء کو بھارتی وزیراعظم جواہر لعل نہرو اور پاکستانی صدر ایوب خان نے ورلڈ بینک کی معاونت سے کراچی میں طے کیا۔

معاہدے کے تحت دریائے سندھ کے نظام کے چھ بڑے دریاؤں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا:

مغربی دریا: سندھ، جہلم اور چناب ...... ان کے پانیوں

کے بنیادی استعمال کا حق پاکستان کو دیا گیا۔

مشرقی دریا: راوی، بیاس اور ستلج ...... ان کے پانیوں کا بنیادی حق بھارت کو دیا گیا۔

معاہدے میں دونوں ممالک کے لیے بعض مخصوص شرائط اور محدود استعمال کی اجازت بھی رکھی گئی، مثلاً بھارت کو مغربی دریاؤں پر مخصوص نوعیت کے آبپاشی اور پن بجلی منصوبے بنانے کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ معاہدے کی مقررہ شرائط کے مطابق ہوں۔ معاہدے کے تحت اختلافات کے حل کے لیے ایک مستقل سندھ کمیشن (Permanent Indus Commission) بھی قائم کیا گیا۔ بڑے اختلافات کی صورت میں ثالثی یا ماہرین کے ذریعے تنازع حل کرنے کے طریق ءکار کی بھی گنجائش رکھی گئی۔

سندھ طاس معاہدہ پاکستان اور بھارت کے درمیان آبی وسائل کے انتظام کا بنیادی فریم ورک ہے اور دونوں ممالک کے درمیان طویل عرصے سے جاری آبی تنازعات میں اس کی مرکزی حیثیت ہے۔

راتلے (Ratle) ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کا تنازع بنیادی طور پر یہ ہے کہ بھارت دریائے چناب پر اس منصوبے کو کس ڈیزائن اور پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کے ساتھ تعمیر کر سکتا ہے، اور یہ ڈیزائن سندھ طاس معاہدے کی شرائط سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ عالمی بینک بھی تصدیق کرتا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان راتلے اور کشن گنگا منصوبوں کی تکنیکی خصوصیات پر اختلاف ہے۔ پاکستان نے 2016ء میں معاملہ Court of Arbitration میں لے جانے کا طریقہ اختیار کیا۔ جبکہ بھارت نے اسی نوعیت کے تکنیکی اختلافات کے لیے Neutral Expert کا طریقہ اختیار کیا۔ ورلڈ بینک نے 2022ء میں دونوں طریق ءکار کے لیے بالترتیب Sean Murphy کو Arbitration کا چیئرمین اور Michel Lino کو Neutral Expert مقرر کیا۔

اسی عرصے میں بھارت نے اس ثالثی عمل اور اس کے بعض فیصلوں کو مسترد کیا، جبکہ پاکستان نے عدالت کے عمل کو معاہدے کے تحت جائز قرار دینے والے موقف کی حمایت کی۔ اس لیے راتلے کا تنازع اب صرف ڈیم کے انجینئرنگ ڈیزائن تک محدود نہیں رہا بلکہ سندھ طاس معاہدے کی تشریح، تنازعات کے حل کے طریق ءکار اور معاہدے کی موجودہ قانونی حیثیت سے بھی جڑ گیا ہے۔

☆......☆

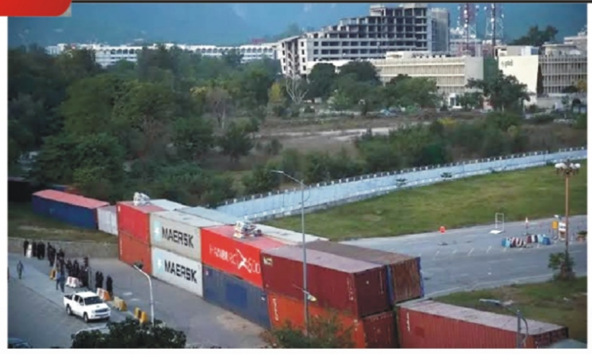

اسلام آباد ’کنٹینرسٹی‘...تحریک انصاف لانگ مارچ

ایک ہزار کنٹینرز کہاں سے آئے اور اِن کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟

ریڈزون جس میں ڈپلومیٹک انکلیو کے علاوہ وزیراعظم ہاؤس، ایوان صدر، پارلیمنٹ ہاؤس، اسلام آباد ہائی کورٹ، سپریم کورٹ سمیت دیگر اہم عمارتیں واقع ہیں، کو ستائیس ستمبر سے پہلے مکمل سیل کر دیا جائے گا۔

اگست 2024 میں پاکستان تحریک انصاف کی جانب سے دائر کردہ ایک درخواست کی سماعت کے دوران اس وقت کے چیف جسٹس اسلام آباد ہائیکورٹ عامر فاروق نے ریمارکس دیتے ہوئے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کو ’کنٹینرسِٹی‘ کہہ کر پکارا تھا۔ پی ٹی آئی کی جانب سے توہین عدالت کی یہ درخواست اسلام آباد ہائیکورٹ میں اس لیے دائر کی گئی تھی کیونکہ ضلعی انتظامیہ نے اِس جماعت کو ڈی چوک میں احتجاج کرنے کی غرض سے جاری کیا گیا این او سی منسوخ کر دیا تھا۔ اس کیس کا جو فیصلہ ہونا تھا، سو ہوا مگر اس کے بعد مقامی اور بین الاقوامی میڈیا میں ہر احتجاج کے موقع پر اسلام آباد کے لیے ’کنٹینرسِٹی‘ کی اصطلاح بارہا استعمال ہوئی۔ اور اب ایک بار پھر اسلام آباد کے شہریوں کے لیے وفاقی دارالحکومت ’کنٹینرسٹی‘ کا ہی منظر پیش کر رہا ہے اور وجہ یہ ہے کہ تحریک انصاف کے ستائیس ستمبر کے لانگ مارچ سے قبل مقامی انتظامیہ نے شہر کے داخلی، خارجی اور اہم راستوں پر سڑکوں کے کنارے سینکڑوں کنٹینرز لا کر رکھ دیے ہیں جنھیں بوقت ضرورت کھسکا کر سڑکوں کو بند کر دیا جائے گا۔ کنٹینرز لگا کر مظاہرین کو کسی مخصوص مقام یا شہر سے دور رکھنے کی تدبیر اگرچہ کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے، مگر بظاہر اس کے کارگر ہونے کے باعث اب اسلام آباد میں کنٹینرز کا استعمال ایک معمول بن چکا ہے۔ جیسے ہی تحریک انصاف یا کسی اور جماعت کی جانب سے ڈی چوک یا اسلام آباد میں احتجاج کی کال دی جاتی ہے تو راتوں رات سینکڑوں کنٹینرز شہر کا محاصرہ کرنے کے لیے لگا دیے جاتے ہیں۔ اور اس مرتبہ تو کنٹینرز کی تعداد اس لیے بھی زیادہ محسوس ہو رہی ہے کیونکہ تحریک انصاف کے علاوہ پیٹرولیم لیوی کے معاملے پر مذہبی سیاسی جماعت جماعت اسلامی نے بھی ستمبر کے ہی مہینے میں اسلام آباد پہنچنے کی بھی کال دے رکھی تھی جسے جماعت اسلامی نے موخر کر دیا ہے۔

اسلام آباد پولیس کے ایک اہلکار نے بتایا کہ اس وقت شہر میں ایک ہزار سے زیادہ کنٹینرز کو مختلف شاہراہوں کے کناروں پر رکھا گیا ہے۔ ان کے مطابق اِن میں وہ کنٹینرز بھی شامل ہیں جنھیں ریڈ زون کے مختلف علاقوں میں رکھا گیا ہے۔ اسلام آباد کی ضلعی انتظامیہ اور پولیس نے امن وامان کی صورتحال کو یقینی بنانے اور مظاہرین کو اسلام آباد میں داخلے سے روکنے کے لیے وزارت داخلہ کو مزید کنٹینرز کرائے پر حاصل کرنے کی درخواست کی ہے۔ واضح رہے کہ وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی نے گذشتہ جمعہ کو پریس کانفرنس کے دوران واضح کیا تھا کہ اسلام آباد ہائیکورٹ کے حالیہ فیصلے کے تناظر میں کسی کو بھی اسلام آباد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام آباد پولیس کے اہلکار کے مطابق ریڈ زون جس میں ڈپلومیٹک انکلیو کے علاوہ وزیراعظم ہاؤس، ایوان صدر، پارلیمنٹ ہاؤس، اسلام آباد ہائی کورٹ، سپریم کورٹ سمیت دیگر اہم عمارتیں واقع ہیں، کو ستائیس ستمبر سے پہلے مکمل سیل کر دیا جائے گا۔ اسلام آباد پولیس کے ترجمان کا کہنا ہے کہ وفاقی دارالحکومت کی مختلف شاہراہوں پر جو خالی کنٹینرز رکھے گئے ہیں ان میں ریت اور مٹی کے علاوہ دیگر تعمیراتی سامان بھرا جا رہا ہے تاکہ انھیں آسانی سے اُن کی جگہ سے ہلایا نہ جا سکے۔ اسلام آباد پولیس کے ایک اور اہلکار کے مطابق ریڈ زون اور بالخصوص ڈپلومیٹک انکلیو کے پاس جو کنٹینرز رکھے گئے ہیں ان کو مزید مضبوط کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر ویلڈ کر دیا گیا ہے۔ دوسری جانب امن وامان کی صورت حال کو برقرار رکھنے کے لیے اسلام آباد کی ضلعی انتظامیہ اور پولیس نے پنجاب اور سندھ سے پندرہ ہزار سے زائد پولیس کی نفری کو طلب کیا ہے جبکہ اٹک، حسن ابدال اور دیگر علاقوں میں پنجاب پولیس اپنے فرائض سرانجام دے گی۔ مقامی میڈیا کی رپورٹس کے مطابق دیگر صوبوں سے بلائی گئی پولیس نفری کو اسلام آباد کے مختلف سرکاری سکولوں میں ٹھہرایا جائے گا اور اس ضمن میں اقدامات کیے جا رہے ہیں اور تعلیمی اداروں کو آئندہ چند روز کے لیے بند کر دیا جائے گا۔ تاہم وفاقی وزیر مملکت برائے داخلہ طلال چوہدری نے کہا کہ حکومت نے دارالحکومت میں تعلیمی ادارے بند کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ طلال چوہدری کے مطابق دیگر صوبوں سے آنے والے سکیورٹی اہلکاروں کو عارضی طور پر اُن عمارتوں میں ٹھہرایا جا رہا ہے، جہاں جگہ خالی ہے۔

ضلعی انتظامیہ کے ایک اہلکار کے مطابق پاکستان تحریک انصاف کے احتجاج کو روکنے اور شہر میں امن وامان کی صورتحال برقرار رکھنے کے لیے وزارت داخلہ نے ابتدائی طور پر چالیس کروڑ روپے کے فنڈز جاری کر دیے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جن کنٹینرز کو اسلام آباد کی مختلف شاہراہوں پر رکھا گیا ہے اُن میں سے زیادہ تر کرائے پر حاصل کیے گئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ چالیس فٹ لمبے کنٹینر کے لیے یومیہ کرایہ بیس ہزار روپے مقرر کیا گیا ہے جبکہ اس سے کم لمبے کنٹینر کے لیے یومیہ کرایہ دس ہزار روپے ہے۔ ضلعی انتظامیہ کے اہلکار کا کہنا تھا کہ احتجاج کے بعد کنٹینرز کے مالکان کو اتنے دنوں کی رقم ادا کی جائے گی جتنے دن اُن کے یہ کنٹینرز استعمال میں رہے۔ دوسری جانب آل پاکستان گڈز ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن صدر اویس چوہدری کے مطابق ابھی تک اسلام آباد کی پولیس اور انتظامیہ نے اُن کے ایک ہزار سے زائد کنٹینرز کو پکڑا ہے، جبکہ پنجاب کے مختلف علاقوں جن میں جاتلی، منڈی بہاؤالدین اور گوجرانوالہ وغیرہ شامل ہیں، سے بھی سینکڑوں کنٹینرز کو پکڑا جا رہا ہے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ گذشتہ چند برسوں کے دوران اسلام آباد میں جتنے بھی احتجاج یا دھرنے ہوئے، ان کے بعد اُن کی تنظیم یا کنٹینرز کے مالکان کو کوئی پیسے نہیں دیے گئے۔ اویس چوہدری کا کہنا تھا کہ ان کی تنظیم کے سینکڑوں کنٹینرز کو تھانہ آئی نائن ترنول اور تھانہ سہالہ کی حدود میں بند کیا گیا ہے جہاں سے انھیں اسلام آباد کی مختلف شاہراہوں پر سڑکوں کے کنارے رکھ دیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسلام آباد پولیس کے اہلکاروں کے پاس نہ صرف ڈرائیورز کے لائسنس ہیں بلکہ گاڑیوں کے کاغذات بھی ہیں جن کی وجہ سے ان کنٹینرز کے ڈرائیور وہیں رکنے پر مجبور ہیں۔ سنہ دو ہزار بائیس میں ہونے والے احتجاج کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جب پی ٹی آئی کا احتجاج ختم ہوا تو اسلام آباد کی ضلعی انتظامیہ نے ان کنٹینرز کے ڈرائیورز کو ان کی گاڑیوں کے کاغذات اور ان کے لائسنس واپس کیے تھے جبکہ اویس چوہدری کے بقول انھیں اس ضمن میں کوئی رقم ادا نہیں کی گئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ان کی تنظیم نے اسلام آباد کی ضلعی انتظامیہ اور پولیس سے رابطہ کیا ہے اور انھیں کہا ہے کہ چونکہ ان کے پاس گاڑیوں کے کاغذات موجود ہیں اس لیے ان کا اندراج کرنے کے بعد رقم کی ادائیگی کا طریقہ کار طے کریں کیونکہ اس سے پہلے انھیں کوئی رقم ادا نہیں کی گئی۔

تاہم اویس چوہدری کے اس دعوے پر وزیر مملکت برائے داخلہ طلال چوہدری کا کہنا تھا کہ یہ دعویٰ ’جھوٹ‘ ہے۔ انھوں نے کہا کہ مالکان سے کنٹینرز کے حصول کا ایک باقاعدہ طریقہ کار بنایا گیا ہے۔ طلال چوہدری کے مطابق ’یہ کنٹینرز ہمیں ایسوسی ایشن کے لوگ ہی دیتے ہیں اور اس کے عوض کرایہ لیتے ہیں۔ یہ کنٹینرز کب لیے جائیں گے، کب واپس کیے جائیں گے اس کے لیے پورا طریقہ کار وضع کیا گیا ہے۔‘

احتجاج سے نمٹنے کے لیے پانچ سال میں ایک ارب پینتیس کروڑ خرچ۔ انیس مارچ دو ہزار پچیس کو پاکستان پیپلز پارٹی کی ایک رکن پارلیمان کی جانب سے وفاقی حکومت سے پوچھا گیا تھا کہ گذشتہ پانچ سال میں احتجاج، لانگ مارچ اور دھرنوں کو ڈی چوک کی جانب آنے سے روکنے کے لیے کتنے اخراجات ہوئے؟ قومی اسمبلی میں اعداد وشمار پیش کرتے ہوئے وزیر مملکت برائے داخلہ نے ایوان کو بتایا کہ وفاقی دارالحکومت میں گذشتہ پانچ برس کے دوران احتجاجی مظاہروں سے نمٹنے کے لیے حکومت نے ایک ارب پینتیس کروڑ روپے سے زائد خرچ کیے اور اس حوالے سے سب سے زیادہ اخراجات مالی سال دو ہزار بائیس تئیس میں ہوئے، جب مجموعی طور پر بہتر کروڑ چالیس لاکھ روپے خرچ کیے گئے۔ قومی اسمبلی میں پیش کی گئی تفصیلات کے مطابق مالی سال دو ہزار انیس بیس میں احتجاجی مظاہروں سے نمٹنے پر پندرہ کروڑ ستتر لاکھ روپے جبکہ دو ہزار بیس اکیس میں یہ اخراجات نو کروڑ اکسٹھ لاکھ روپے رہے۔ مالی سال دو ہزار اکیس بائیس میں یہ لاگت نمایاں طور پر بڑھ کر ستائیس کروڑ اناسی لاکھ روپے تک پہنچ گئی، جبکہ دو ہزار بائیس تئیس میں اخراجات بہتر کروڑ چالیس لاکھ روپے ریکارڈ کیے گئے۔ انھوں نے مزید بتایا تھا کہ مالی سال دو ہزار تئیس چوبیس کے دوران اُس وقت تک احتجاجی مظاہروں کے انتظام کے لیے دس کروڑ روپے مختص کیے جا چکے تھے۔ طلال چوہدری کے مطابق ایسے مواقع پر سکیورٹی اخراجات عموماً دو بڑی کیٹگریز پر مشتمل ہوتے ہیں، جن میں سکیورٹی اہلکاروں کی نقل وحمل، خوراک اور رہائش کے انتظامات شامل ہیں، جبکہ دوسری مد میں سڑکوں کی بندش اور غیر قانونی اجتماعات کی روک تھام کے لیے استعمال ہونے والے کنٹینرز پر اٹھنے والے اخراجات ہیں۔

یہ منظر نامہ صرف موجودہ لانگ مارچ تک محدود نہیں بلکہ اسلام آباد کی سڑکوں پر کنٹینرز کی موجودگی اب ایک مستقل سیاسی اور انتظامی روایت بن چکی ہے۔ ہر بڑی احتجاجی تحریک کے موقع پر شہر کے داخلی راستے، موٹروے کے باہر نکلنے والے راستے، جی ٹی روڈ سے منسلک شاہراہیں اور ریڈ زون کے گرد کنٹینرز کی دیواریں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ ان کنٹینرز کو ریت، مٹی اور تعمیراتی مواد سے بھر کر اتنا وزنی بنا دیا جاتا ہے کہ انھیں جلدی سے ہٹانا ممکن نہ رہے۔ ڈپلومیٹک انکلیو کے قریب رکھے گئے کنٹینرز کو ایک دوسرے کے ساتھ ویلڈ کر کے مزید مضبوط کر دیا جاتا ہے تاکہ کوئی بھی انہیں دھکیل کر راستہ نہ بنا سکے۔ یہ حکمت عملی مظاہرین کو شہر کے مرکز تک پہنچنے سے روکنے میں کامیاب ثابت ہوئی ہے

(باقی صفحہ 15 پر)

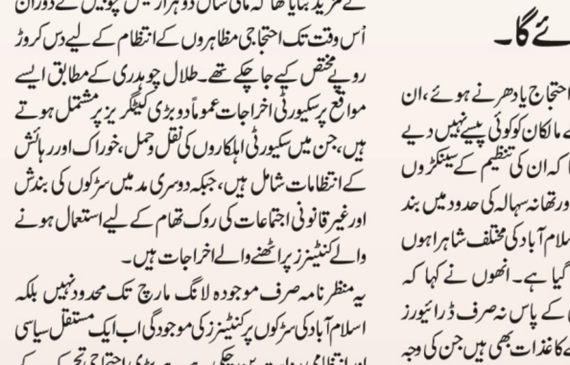

امریکہ کا ”جی پی ایس“ سسٹم مفت کیوں؟

امریکہ یہ تمام اخراجات کیوں برداشت کرتا چلا جا رہا ہے؟

دراصل امریکی ٹیکس دہندگان ہر سال تقریباً 2 ارب ڈالر کا تخمینی خرچ برداشت کرتے ہیں تاکہ سیٹلائٹ کا وہ نیٹ ورک برقرار رکھا جا سکے جو دنیا کے ایک بڑے حصے کو مفت نیویگیشن (یا سمت راہنمائی) کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ وہ راز جانیے جن کی بنا پر امریکی حکومت نے بے پناہ اخراجات کے باوجود گلوبل پوزیشننگ سسٹم کی سہولت دنیا والوں کو مفت دے دی

سید عاصم محمود

جی پی ایس (GPS) بلاشبہ کرہ ارض پر سب سے زیادہ استعمال ہونے والی ٹیکنالوجیوں میں سے ایک ہے۔ جب بھی آپ راستے تلاش کرنے کے لیے اپنے فون کا استعمال کرتے ہیں، کسی دوست کے ساتھ اپنی لوکیشن شیئر کرتے ہیں، اپنی دوڑ کا ٹریک رکھتے یا کھانا آرڈر کرتے ہیں، تو اِس بات کا پورا امکان ہے کہ آپ اس سروس پر انحصار کر رہے ہوں۔ لیکن بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اِس سسٹم کے لیے مالی وسائل کہاں سے آتے ہیں۔ یا مزید واضح طور پر کہیں تو اس کا خرچ کون اٹھاتا ہے؟ دراصل امریکی ٹیکس دہندگان ہر سال تقریباً 2 ارب ڈالر کا تخمینی خرچ برداشت کرتے ہیں تاکہ سیٹلائٹ کا وہ نیٹ ورک برقرار رکھا جا سکے جو دنیا کے ایک بڑے حصے کو مفت نیویگیشن (یا سمت راہنمائی) کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔

سروس مفت کیوں؟

یہ بڑا اہم اور انوکھا سوال ہے کہ امریکہ یہ تمام اخراجات کیوں برداشت کرتا چلا جا رہا ہے؟ اس کا جواب سرد جنگ کے میزائل پروگراموں، چین اور روس کے بنائے گئے سیٹلائٹ نیٹ ورکس اور کوانٹم ٹیکنالوجیز کی نئی نسل سے جڑا ہوا ہے جو آگے چل کر جی پی ایس کی مکمل جگہ لے سکتی ہیں۔

اس سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے، جی پی ایس کام کیسے کرتا ہے؟ آیئے یہ امر سمجھنے کے لیے بالکل آغاز سے بات شروع کرتے ہیں۔ گلوبل پوزیشننگ سسٹم یا جی پی ایس بنیادی طور پر امریکی اسپیس فورس کے کم از کم 24 سیٹلائٹس کا ایک گروہ (اسکواڈرن) ہے۔ زمین سے تقریباً 20 ہزار کلومیٹر (12,400 میل) اوپر مدار میں گردش کرتے ہوئے ان میں سے ہر سیٹلائٹ مسلسل ایک ہی وقت میں دو معلومات نشر کرتا ہے: وہ اس وقت کہاں موجود ہے اور سگنل بھیجنے کا درست وقت کیا تھا۔ آپ کا موبائل فون، سیٹ نیو (sat nav) یا رننگ واچ صرف ان سگنلوں کو موصول کرتی ہے۔ ایک ہی وقت میں کئی سیٹلائٹس کے فاصلے کی پیمائش کر کے آپ کا آلہ آخرکار زمین پر وہ واحد نقطہ تلاش کر لیتا ہے جو اُن تمام فاصلوں کے ساتھ بالکل مطابق ہوتا ہے۔ اس طریقہ کار کو تکنیکی اصطلاح میں ”ٹریلیٹریشن“ (trilateration) کہا جاتا ہے یعنی فاصلوں کی مدد سے کسی جگہ یا مقام کا تعین کرنا۔ اِس وقت دنیا بھر میں 6 ارب سے زیادہ آلات جی پی ایس کی مدد سے فاصلوں کا تعین کر رہے ہیں۔ 2030ء کی دہائی کے اوائل تک یہ تعداد 10 ارب کے قریب پہنچنے کا تخمینہ ہے جو دنیا کے تقریباً ہر زندہ انسان کے لیے ایک ڈیوائس کے برابر ہو گا۔ صرف امریکہ میں روزانہ 90 کروڑ سے زیادہ ریسیور استعمال کیے جاتے ہیں۔

امریکہ نے جی پی ایس بنایا؟

جی ہاں، جی پی ایس کو بنیادی طور پر امریکی فوج نے سرد جنگ کے دوران تیار کیا تھا۔ اس کا پہلا سیّارہ یا سیٹلائٹ 22 فروری 1978ء کو چھوڑا گیا۔ فی الوقت جی پی ایس اکتیس سیاروں پر مشتمل ہے۔ اس کا آخری سیّارہ حال ہی میں 21 اپریل کو خلا میں چھوڑا گیا تھا۔ امریکہ ایک ایسا نیویگیشن سسٹم چاہتا تھا جو اُس کی افواج، طیاروں اور جنگی جہازوں کو یہ بتا سکے کہ وہ زمین پر بالکل کہاں موجود ہیں۔ اتنی ہی اہم بات یہ بھی تھی کہ اُسے اپنی آبدوزوں سے داغے جانے والے ایٹمی میزائلوں کی لانچنگ کی درست پوزیشن معلوم کرنے کی ضرورت تھی...... کیونکہ کسی دور دراز ہدف کو درستگی سے نشانہ بنانے کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ فائر کہاں سے کر رہے ہیں۔

اس ضرورت کا نتیجہ جی پی ایس کی صورت میں نکلا۔ امریکی فوج کو دنیا بھر میں نیویگیٹ کرنے اور فورسز کے درمیان رابطے کی بے مثال صلاحیت فراہم کر کے گلوبل پوزیشننگ سسٹم نے اپنے حریفوں کے مقابلے میں امریکی افواج کو ایک بڑا اسٹریٹجک فائدہ فراہم کر دیا۔

ایک اہم سوال

لیکن کیسے؟ کیا دشمن ان سگنلوں کو آسانی سے موصول نہیں کر سکتے تھے؟

ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ہاں...... جی پی ایس سگنلز کھلے عام نشر کیے جاتے ہیں اور جو ریسیور رکھنے والے کسی بھی شخص تک پہنچتے ہیں۔ لیکن بڑی ہوشیاری سے امریکہ نے گلوبل پوزیشننگ سسٹم کے دو ورژن نشر کیے۔ درست سگنل کو اینکرپٹ (سیکرٹ کوڈ میں) کیا گیا تھا تاکہ صرف امریکی افواج اور ان کے اتحادی ہی اس کی مکمل درستگی سے فائدہ اٹھا سکیں۔

باقی تمام لوگوں کے لیے ایک دوسرا، کھلا سگنل تھا جسے جان بوجھ کر تھوڑا غیر واضح یا دھندلا کیا گیا تھا۔ اس خصوصیت کو تکنیکی طور پر ”سلیکٹو اویلیبلٹی“ (selective availability) کہا گیا۔ اس طرح جب عام شہری گلوبل پوزیشننگ سسٹم استعمال کرتے تو اُن کی پوزیشن میں تقریباً 100 میٹر (330 فٹ) کا فرق آ جاتا تھا۔

دو نمونوں والا یہ نظام تاہم مئی 2000ء میں بدل گیا، جب تب کے امریکی صدر بل کلنٹن نے اس ”سلیکٹو اویلیبلٹی“ کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ یوں ہر سویلین ریسیور کی درستگی میں فوری طور پر دس گنا اضافہ ہو گیا۔ اس قدم کو جلد ہی مستقل کر دیا گیا اور اب امریکہ میں نئے سیٹلائٹس درج بالا فیچر کے بغیر ہی بنائے جاتے ہیں۔ تاہم اس سے امریکی افواج کی عسکری برتری ختم نہیں ہوئی: اب دنیا بھر میں سگنل دھندلا کرنے کے بجائے امریکی فوج مخصوص جنگی علاقے میں جی پی ایس کی رسائی روک سکتی ہے جبکہ باقی تمام دنیا پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ گویا گلوبل پوزیشننگ سسٹم پر زیادہ کنٹرول پا کر اسے عوام کے لیے عام کر دیا گیا تاکہ وہ اس سے بخوبی مستفید ہو سکیں۔

مالی اعانت

اِس موقع پر یہ سوال جنم لیتا ہے کہ کیا امریکی حکومت جی پی ایس کی مالی اعانت جاری رکھے گی؟ امریکی حکومت جی پی ایس کے لیے فنڈنگ جاری رکھے ہوئے ہے کیونکہ یہ اس کی فوج، قومی سلامتی اور ہوابازی کے نظام کے لیے اب بھی انتہائی اہم ہے۔ حالیہ امریکی صدر، ڈونلڈ ٹرمپ کی انتظامیہ کی جانب سے ان سروسز کو فنڈز دینے میں ہچکچاہٹ کے باوجود جن سے امریکہ سے باہر کے ممالک کو فائدہ پہنچتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ جی پی ایس قائم رہنے کے لیے ہی بنا ہے۔ اس کی وجہ سمجھنا آسان ہے۔ مانا جاتا ہے کہ جی پی ایس نے 1983ء سے لے کر اب تک زراعت، کان کنی اور بحری جہاز رانی سے لے کر دس مختلف شعبوں میں امریکہ کو 1.4 ٹریلین (14 کھرب) ڈالر سے زیادہ کی اقتصادی نمو و ترقی فراہم کی ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اِس قدر و قیمت کا تقریباً 90 فیصد حصہ صرف 2010ء کے بعد سے حاصل ہوا ہے جس کی بنیادی وجہ سمارٹ فونوں کا استعمال اور مفت سگنل پر مبنی لوکیشن سروسز جیسے نیویگیشن، رائڈ ہیلنگ (ٹیکسی ایپس) اور فوڈ ڈیلیوری کا فروغ ہے۔ لیکن جو سب سے قیمتی چیز جی پی ایس فراہم کرتا ہے وہ اصل میں لوکیشن (مقام) نہیں بلکہ ”وقت“ ہے۔ ہر سیٹلائٹ میں ایٹمی گھڑیاں لگی ہوتی ہیں جو وقت کا انتہائی درست سگنل جنم دیتی ہیں۔ یہی وقت دورِ جدید کے اُن نظاموں کو چلا رہا ہے جن کے بارے میں ہم میں سے اکثر سوچتے بھی نہیں: یہ موبائل فون نیٹ ورکس کا باہمی ربط قائم رکھتا ہے، مالیاتی منڈیوں سے گزرنے والے اربوں کے لین دین پر وقت کا اندراج کرتا اور بجلی کے گرڈز کو متوازن رکھتا ہے۔

بہت بڑی تباہی

ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہے کہ جی پی ایس کا بند ہونا ایک بہت بڑی تباہی کا باعث بنے گا۔ نارتھ کیرولائنا کے ایک سائنسی ادارے، آر ٹی آئی (انٹرنیشنل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ) کی تحقیق کے مطابق جی پی ایس کھو جانے سے امریکہ کو روزانہ 1 ارب ڈالر کا نقصان ہو گا... اور بدترین وقت پر یہ نقصان اِس سے بھی کہیں زیادہ ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر فصلوں کی کاشت کے موسم بہار کے دوران 30 دن کے بلیک آؤٹ سے جب کسان اپنے ٹریکٹروں کی رہنمائی کے لیے سینٹی میٹر کی حد تک درست جی پی ایس پر انحصار کرتے ہیں۔ یوں صرف امریکی زرعی شعبے کا نقصان 15 ارب ڈالر تک پہنچ سکتا ہے۔

آر ٹی آئی کے ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ”اتنا طویل بلیک آؤٹ شاید ممکن نہ ہو لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ روزانہ 1 ارب ڈالر کا معاشی نقصان بیک اپ جی پی ایس سسٹم بنانے کی لاگت سے کہیں زیادہ ہے۔“ اس تناظر میں شاید یہ بات غیر متوقع نہیں ہے کہ امریکہ نے اپنے سیٹلائٹ سسٹم کی اپ گریڈنگ پر زبردست رقم...... 8 ارب ڈالر سے زیادہ خرچ کی ہے۔

عملی نقطہ نظر

امریکی نیو ہیون یونیورسٹی میں سیاسیات کی پروفیسر پیٹریشیا کروز کہتی ہیں کہ جی پی ایس کی فنڈنگ جاری رکھنے کا امریکی جذبہ ”ایک عملی نقطہ نظر رکھتا ہے۔“ مزید کہتی ہیں: ”اگرچہ مسک کے پاس اسٹارلنک (Starlink) موجود ہے، جو نظریاتی طور پر جی پی ایس کی جگہ لے سکتا ہے، لیکن آپ لوگوں کو اپنے خرچے پر نجی سیٹلائٹس استعمال کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

”ہم امریکی شہری ظاہر ہے ٹیکسوں کے ذریعے جی پی ایس سسٹمز کی قیمت ادا کرتے ہیں، لیکن یہ زیادہ بالواسطہ (indirect) طریقہ ہے۔ اور اس کی فنڈنگ بند کرنے کی کوشش سے امریکہ میں افراتفری پھیل جائے گی۔ نیز کچھ امریکیوں کی سوچ کے برعکس ہم امریکی کلی طور پر آسمانوں کے مالک نہیں ہیں۔“

متبادل نظام

اب ایک نیا سوال ذہن میں ابھرتا ہے: ”کیا جی پی ایس کی متبادل ٹیکنالوجیاں موجود ہیں؟“

یہ نوٹ کرنا اہم ہے کہ جی پی ایس دنیا کا واحد عالمی نیویگیشن سسٹم نہیں۔ یورپ کے پاس ”گیلیلیو“ (Galileo) سسٹم ہے۔ چین اور روس کے بھی اپنے نیویگیشن سیٹلائٹ سسٹم ہیں جو اگرچہ اتنے عام نہیں لیکن ان ملکوں کو اہم اسٹریٹجک فوائد فراہم کرتے ہیں۔

چین نے جی پی ایس کا جواب ”بیڈو نیویگیشن سیٹلائٹ سسٹم“ (BeiDou) بنا کر دیا جو 2020ء میں دنیا بھر میں مکمل طور پر فعال ہو گیا تھا۔ اگرچہ یہ عالمی کوریج پیش کرتا ہے، لیکن یہ پورے ایشیا میں خاص طور پر مضبوط ہے جہاں یہ درستگی کے معاملے میں جی پی ایس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ کچھ حالات میں اس سے آگے بھی نکل جاتا ہے۔ بیڈو کی ایک خصوصیت ایسی بھی ہے جو اُسے اکثر نیویگیشن سسٹمز سے ممتاز کرتی ہے: صارفین اُس کے سیٹلائٹس کے ذریعے مختصر ٹیکسٹ میسجز (پیغامات) بھیج سکتے ہیں۔ اِس کا مطلب ہے کہ دور دراز صحرا، پہاڑی سلسلے یا سمندر کے حصے میں پھنسا ہوا شخص بھی اُس وقت رابطہ کر سکتا ہے (باقی صفحہ 15 پر)

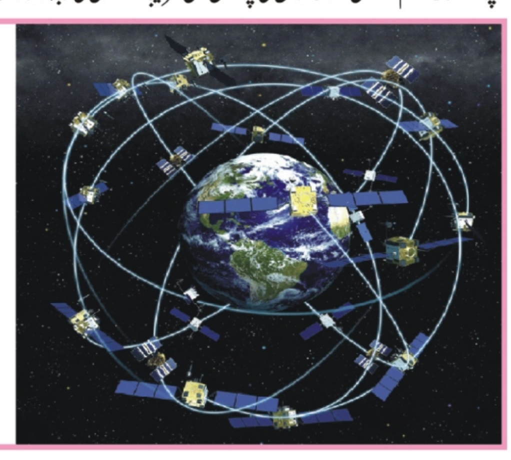

’بجلی صارفین اب براہ راست کمپنیوں سے بجلی خریدیں گے‘
کیا نئے حکومتی منصوبے سے صارفین کو فائدہ ہوگا؟

’بجلی کی ایک منڈی بنے گی جہاں سے صارف اپنے لیے سستی ترین بجلی خرید سکے گا۔ حکومت اس جھنجھٹ سے باہر نکال آئے گی کہ پہلے وہ بجلی خریدے اور پھر زبردستی اپنے مقرر کردہ ریٹ پر آپ کو بجلی فراہم کرے۔ ابھی پہلا قدم ہے اور آئندہ برسوں میں عام صارف تک اس نظام کے فائدے پہنچیں گے۔‘ وفاقی وزیر اویس لغاری

......میگزین رپورٹ......

پاکستان کے وفاقی وزیر توانائی اویس لغاری کا ایک ویڈیو پیغام گذشتہ ایک روز سے سوشل میڈیا پر وائرل ہے جس میں وہ عندیہ دیے رہے ہیں کہ وفاقی حکومت کی جانب سے متعارف کروائے گئے ایک نئے نظام کے تحت اب حکومت بجلی خرید کر صارفین کو فراہم نہیں کرے گی بلکہ پاکستان میں بجلی پیدا کرنے والے اور بجلی خریدنے والے ایک شفاف طریقہ کار کے تحت آپس میں خود ہی بجلی کی خرید وفروخت کریں گے۔

اپنے اس بیان میں اویس لغاری وضاحت کرتے ہیں کہ ’پاکستان کے اندر یہ نظام رائج ہے کہ عام صارفین تک جتنی بھی بجلی پہنچتی ہے، وہ پہلے حکومتِ پاکستان خریدتی ہے اور پھر اِس کو اپنے ترسیلی نظام کے ذریعے عام صارفین تک پہنچاتی ہے۔‘ انھوں نے کہا کہ ’حکومت کمپنیوں سے کن شرائط پر یہ بجلی خریدتی ہے، مہنگی خریدتی ہے یا سستی، آئی پی پیز کا معاملہ ہے۔۔۔اس پر عام صارفین کے ہمیشہ سے سوالات رہے ہیں۔ مگر آج کے بعد پاکستانی حکومت بجلی کی خریداری نہیں کرے گی اور بجلی پیدا کرنے والے اور بجلی خریدنے والے ایک شفاف طریقہ کار کے تحت آپس میں خود بجلی کی خرید وفروخت کریں گے۔‘ وہ بتاتے ہیں کہ ’اس کا آغاز سب سے پہلے انڈسٹریل یا بڑے صارفین (جو ایک میگاواٹ سے زیادہ بجلی استعمال کرتے ہیں) سے ہوگا، اور اس کے بعد آئندہ برسوں میں عام صارف، جو 200 یا 400 یونٹ بھی استعمال کرتا ہے، تک اس کا دائرہ کار وسیع کیا جائے گا۔‘ ’بجلی کی ایک منڈی بنے گی جہاں سے صارف اپنے لیے سستی ترین بجلی خرید سکے گا۔ حکومت اس جھنجھٹ سے باہر نکال آئے گی کہ پہلے وہ بجلی خریدے اور پھر زبردستی اپنے مقرر کردہ ریٹ پر آپ کو بجلی فراہم کرے۔ ابھی پہلا قدم ہے اور آئندہ برسوں میں عام صارف تک اس نظام کے فائدے پہنچیں گے۔‘

اویس لغاری کے اس ویڈیو بیان کے بعد پاکستان کی وفاقی حکومت نے اس ضمن میں اتوار (20 ستمبر) کو بجلی کی ویلنگ (ترسیل) کی پہلی بار نیلامی کے لیے ریکوئسٹ برائے پروپوزلز (یعنی درخواست برائے تجاویز) جاری کیے ہیں۔ پاور ڈویژن نے اپنے ایک اعلامیے میں بتایا کہ اس نظام کے تحت آئندہ پانچ برسوں میں مجموعی طور پر 800 میگا واٹ بجلی نیلام کرنے کا منصوبہ ہے، جبکہ پہلے مرحلے میں 400 میگاواٹ بجلی مسابقتی بنیادوں پر فراہم کی جائے گی۔ پاور ڈویژن کے مطابق یہ نیلامی کمپیٹیٹو ٹریڈنگ بائی لیٹرل کنٹریکٹ مارکیٹ (سی ٹی بی سی ایم) یعنی مسابقتی تجارت کی باہمی معاہدے کی مارکیٹ کے تحت ہوگی، جس میں کاروباری اور صنعتی صارفین بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں سے براہِ راست مسابقتی بنیادوں پر بجلی خرید سکیں گے۔ یاد رہے کہ پاکستان میں بجلی کا شعبہ گذشتہ کئی برسوں سے گردشی قرضوں، تقسیم وترسیل کے عمل کے دوران ہونے والی چوری اور نقصانات، کئی سو ارب کی کیپیسٹی پیمنٹس، مہنگے پاور پلانٹ کی وجہ سے زیر بحث ہے، جس کی وجہ سے گھریلو، تجارتی اور صنعتی صارفین بجلی کے بھاری بل ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ تو آخر بجلی ویلنگ کی نیلامی کا منصوبہ ہے کیا، یہ نظام کیسے کام کرے گا اور یہ سسٹم پاکستان کے ایک عام صارف تک کب تک پہنچے گا؟

بجلی ویلنگ کا نظام اور اِس کی نیلامی کیا ہے؟

اتوار کے روز وفاقی حکومت کی جانب سے بجلی ویلنگ (ترسیل) کی پہلی بار نیلامی کے لیے آر ایف پی جاری کیے گئے ہیں۔ توانائی شعبے کی ماہر عافیہ ملک نے بتایا کہ بجلی ویلنگ سے مراد یہ ہے کہ ایک صارف (بجلی استعمال کرنے والا) کسی بھی بجلی پیدا کرنے والے ادارے سے بجلی خریدنے کا معاہدے کرے گا اور پھر خریدی گئی بجلی تھرڈ پارٹی کے سسٹم کے ذریعے صارف تک پہنچائی جائے گی۔ تھرڈ پارٹی کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس سے مراد حکومت کا موجودہ تقسیم وترسیل کا نظام ہے جس کے ذریعے بجلی صارف تک پہنچائی جائے گی۔ انھوں نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے پہلے مرحلے میں 400 میگاواٹ تک بجلی خریداری کے لیے نیلامی کی تجاویز مانگی گئی ہیں۔ پالیسی ریسرچ انسٹیٹوٹ برائے ایکوٹیبل ڈویلپمنٹ (پرائیڈ) میں توانائی شعبے کے ماہر منظور احمد نے بتایا کہ یہ بنیادی طور پر نوے کے دہائی کے شروع میں عالمی بینک کی جانب سے متعارف کروائی گئی پاور شعبے کی لبرلائزیشن پالیسی کا حصہ ہے۔ انھوں نے کہا اس کام کو آج سے دو تین دہائیاں قبل ہونا چاہیے، تاہم اب جا کر وفاقی حکومت نے یہ کام کیا ہے۔ اس کا تذکرہ وفاقی وزیر توانائی اویس لغاری نے بھی اپنے ویڈیو پیغام میں یہ کہتے ہوئے کیا کہ ’پچھلے 25، 30 سال سے ہر حکومت کی ایسا کرنے کی خواہش رہی ہے مگر کوئی حکومت اس ضمن میں عملی اقدام نہیں اٹھا سکی، مگر اب موجودہ حکومت اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا چکی ہے۔‘

پہلے مرحلے میں کون سے صارف کمپنیوں سے براہ راست بجلی خرید سکیں گے؟

عافیہ ملک کے مطابق پہلے مرحلے میں ایک میگاواٹ سے زائد بجلی استعمال کرنے والے صارفین مسابقتی ریٹ پر بجلی کمپنیوں سے خود بجلی خرید سکیں گے۔ انھوں نے کہا بنیادی طور پر یہ بلک (یعنی بڑے) صارفین ہوتے ہیں جن میں بڑی صنعتیں اور انڈسٹریاں شامل ہوتی ہیں جیسا کہ ٹیکسٹائل، سیمنٹ، فرٹیلائز وغیرہ۔ یہ وہ ادارے ہیں جہاں بجلی کی کھپت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ان کے مطابق چھوٹی صنعتیں اس میں شامل نہیں ہیں کیونکہ عموماً وہاں بجلی کی اتنی کھپت نہیں ہوتی ہے۔ منظور احمد نے اس سلسلے میں بتایا کہ بنیادی طور پر پہلے مرحلے میں 400 میگاواٹ تک بجلی خریداری کے لیے لیے نیلامی ہے، جو اگلے پانچ سال میں 800 میگاواٹ تک جائے گی۔ تاہم یہ واضح رہے کہ پہلے مرحلے میں صرف ملک کی بڑی انڈسٹری ہی اہل ہوگی ہے کیونکہ حکومت کی جانب سے مقررہ کردہ ایک میگاواٹ سے زائد کی کھپت صرف بڑی انڈسٹری میں ہی ہوتی ہے۔

بڑا صنعتی شعبہ کیا بجلی ویلنگ کے نظام سے فائدہ اٹھا پائے گا؟

بجلی ویلنگ کی پہلی نیلامی میں ایک میگاواٹ تک بجلی استعمال کرنے والے صارفین اہل ہیں جو عموماً پاکستان میں بڑی صنعتیں ہی استعمال کرتی ہیں۔ اُن کی جانب سے مسابقتی مارکیٹ سے بجلی خریدنے اور ان کے لیے کسی ریلیف کے بارے میں منظور احمد نے کہا یہ بھی دیکھنا پڑے گا کیا واقعی جو بجلی وہ خریدیں گے وہ حکومت سے خریدی جانے والی بجلی سے کم قیمت ہوگی۔ انھوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ایک بڑا صنعتی ادارہ بجلی تو کسی کمپنی سے براہ راست ایک معاہدے کے ذریعے خریدے گا، مگر اس بجلی کے حصول کے لیے وہ جو انفراسٹرکچر استعمال کرے گا وہ حکومت کا ہی ہے جس کی اسے قیمت ادا کرنے پڑے گی، جسے عام زبان میں لائن رینٹ کہا جاتا ہے۔

> پاور ڈویژن نے اپنے ایک اعلامیے میں بتایا کہ اس نظام کے تحت آئندہ پانچ برسوں میں مجموعی طور پر 800 میگاواٹ بجلی نیلام کرنے کا منصوبہ ہے، جبکہ پہلے مرحلے میں 400 میگاواٹ بجلی مسابقتی بنیادوں پر فراہم کی جائے گی۔ پاور ڈویژن کے مطابق یہ نیلامی کمپیٹیٹو ٹریڈنگ بائی لیٹرل کنٹریکٹ مارکیٹ (سی ٹی بی سی ایم) یعنی مسابقتی تجارت کی باہمی معاہدے کی مارکیٹ کے تحت ہوگی، جس میں کاروباری اور صنعتی صارفین بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں سے براہِ راست مسابقتی بنیادوں پر بجلی خرید سکیں گے

عافیہ ملک کے مطابق کسی ایک بڑے صارف اور بجلی پیدا کرنے والے ادارے کے درمیان معاہدے کے بعد ویلنگ کاسٹ سب سے اہم ہوگی اور اسی کی بنیاد پر یہ طے ہوگا کہ کسی بھی بڑے صارف کے لیے مسابقتی مارکیٹ سے بجلی خریداری واقعی سستی ہوگی یا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ بڑی صعنتوں کے لیے بھی دیکھنا پڑے گا کہ یہ نظام کتنا قابل عمل ہے۔ ان کے خیال میں فوری طور پر ایسا ممکن نظر نہیں آتا کہ بڑے صنعتی اداروں کے لیے بجلی ریٹ میں بہت بڑی کمی واقع ہوگی کیونکہ حکومت کے سسٹم کو استعمال کرنے کی ایک قیمت ہے، جو کیپسٹی پیمنٹ اور دوسرے نقصانات کی وجہ سے حکومت کو ادا کرنا ہوتی ہے۔ تاہم وفاقی وزیر توانائی اویس لغاری کا کہنا تھا کہ اس نظام کے تحت انڈسٹری کو سستی بجلی ملے گی، وہ اپنی پیدواری لاگت میں کمی لا کر بین الاقوامی مارکیٹ میں مقابلہ کر سکیں گے، اور بجلی پر اٹھنے والے ایک بڑے خرچے میں کمی ہوگی۔

کیا عام صارف کو کوئی فائدہ ہوگا؟

پاکستان میں گذشتہ چند برسوں کے دوران بجلی کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے صنعتی، تجارتی اور گھریلو صارفین کو بجلی کے بھاری بل ادا کرنے پڑ رہے ہیں۔ اگرچہ صارفین کی جانب سے سولر سسٹم پر منتقل ہونے کی وجہ سے گرڈ بجلی کی کھپت میں کمی آئی ہے، تاہم کئی سو ارب روپے سالانہ کی کیپسٹی پیمنٹ کی ادائیگی کی وجہ سے گرڈ سے منسلک صارفین پر سولر منتقلی سے ہونے والا اضافی بوجھ بھی پڑ رہا ہے۔ عافیہ ملک کے مطابق پاکستان میں موجودہ سال 2026 کے لیے حکومت نے 1900 ارب روپے کی کیپسٹی پیمنٹ بجلی کمپنیوں کو ادا کرنی ہے۔ انھوں نے کہا مسابقتی ریٹ پر بجلی خریداری کے نئے اقدام سے عام یا گھریلو صارفین کے لیے بجلی کی قیمتوں میں فوری کمی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ انھوں نے کہا پاکستان میں ٹیکسوں اور سرچارج کے علاوہ تقریباً 34 روپے لے لگ بھگ بجلی کی فی یونٹ قیمت ہے۔

عافیہ نے بتایا کہ گھریلو صارفین کے لیے فی الحال اس نئے نظام میں کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ حکومتی منصوبے کے مطابق گھریلو صارفین تک نیا سسٹم پہنچنے میں ابھی چند سال لگیں گے چنانچہ اُن کے بجلی کے بل میں کوئی کمی نہیں آ سکے گی۔ ان کے مطابق اسی طرح چھوٹی صنعتوں اور تجارتی شعبے کے لیے بجلی کے ریٹ میں کوئی کمی نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے مرحلے میں بجلی ویلنگ کی نیلامی کے لیے اہل نہیں ہیں۔ ماہر توانائی منظور احمد کا کہنا ہے کہ گھریلو صارفین کے لیے فی الحال بہتر یہی ہے کہ وہ سولر پر منتقل ہوں کیونکہ بجلی ویلنگ کے نئے نظام میں ان کے لیے کوئی ریلیف نہیں ہے۔

ایمان کامران

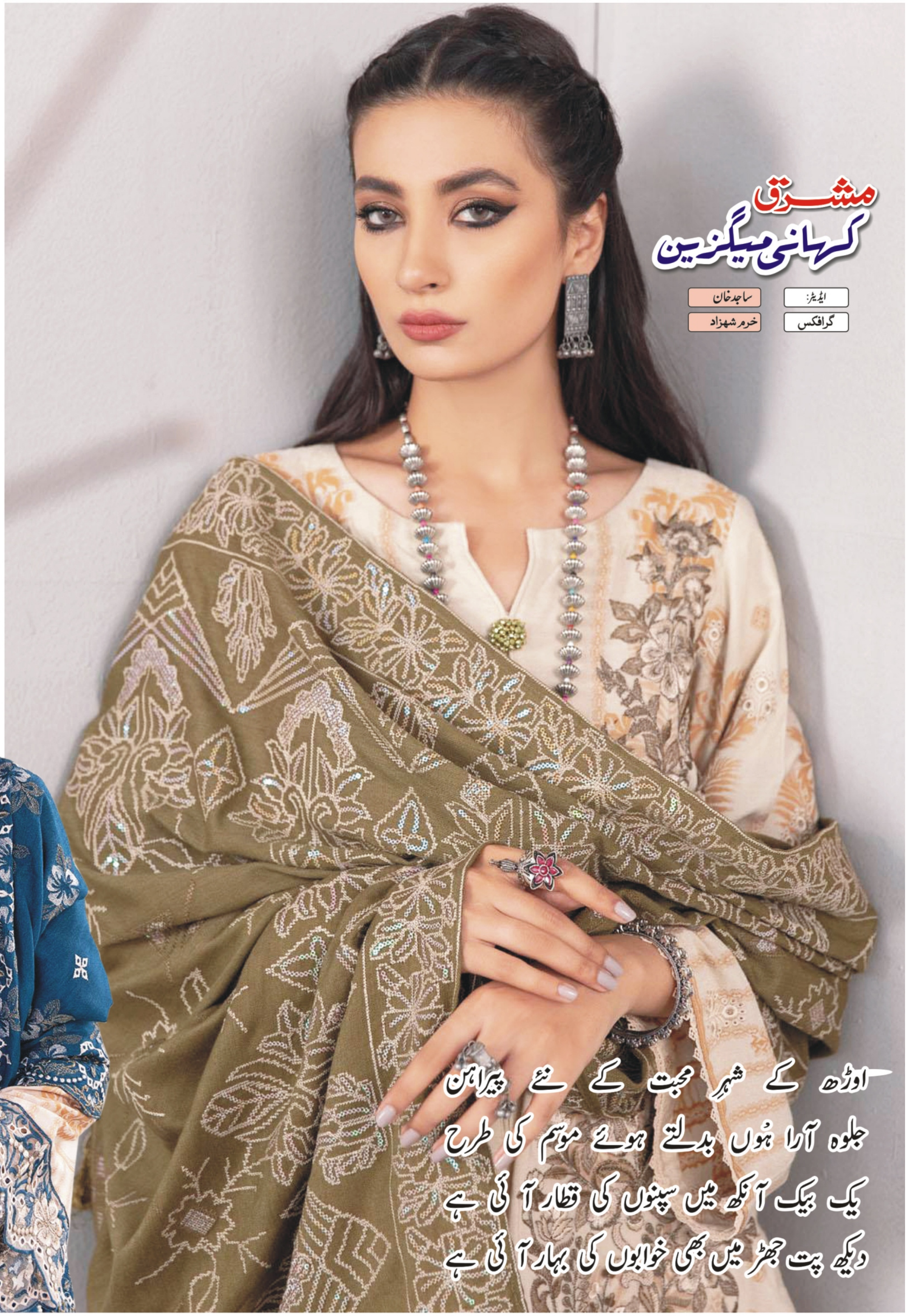

مشرق
کہانی میگزین

ایڈیٹر:	ساجد خان
گرافکس	خرم شہزاد

دل مچلنے لگا آنچل میں دھنک جاگ اٹھی
دل کے سوئے ہوئے تاروں میں کھنک جاگ اٹھی

اوڑھ کے شہرِ محبت کے نئے پیراہن
جلوہ آرا ہُوں بدلتے ہوئے موسم کی طرح
یک بیک آنکھ میں سپنوں کی قطار آ ئی ہے
دیکھ پت جھڑ میں بھی خوابوں کی بہار آ ئی ہے

ایمان کامران
دل مچلنے لگا آنچل میں دھنک جاگ اٹھی
دل کے سوئے ہوئے تاروں میں کھنک جاگ اٹھی

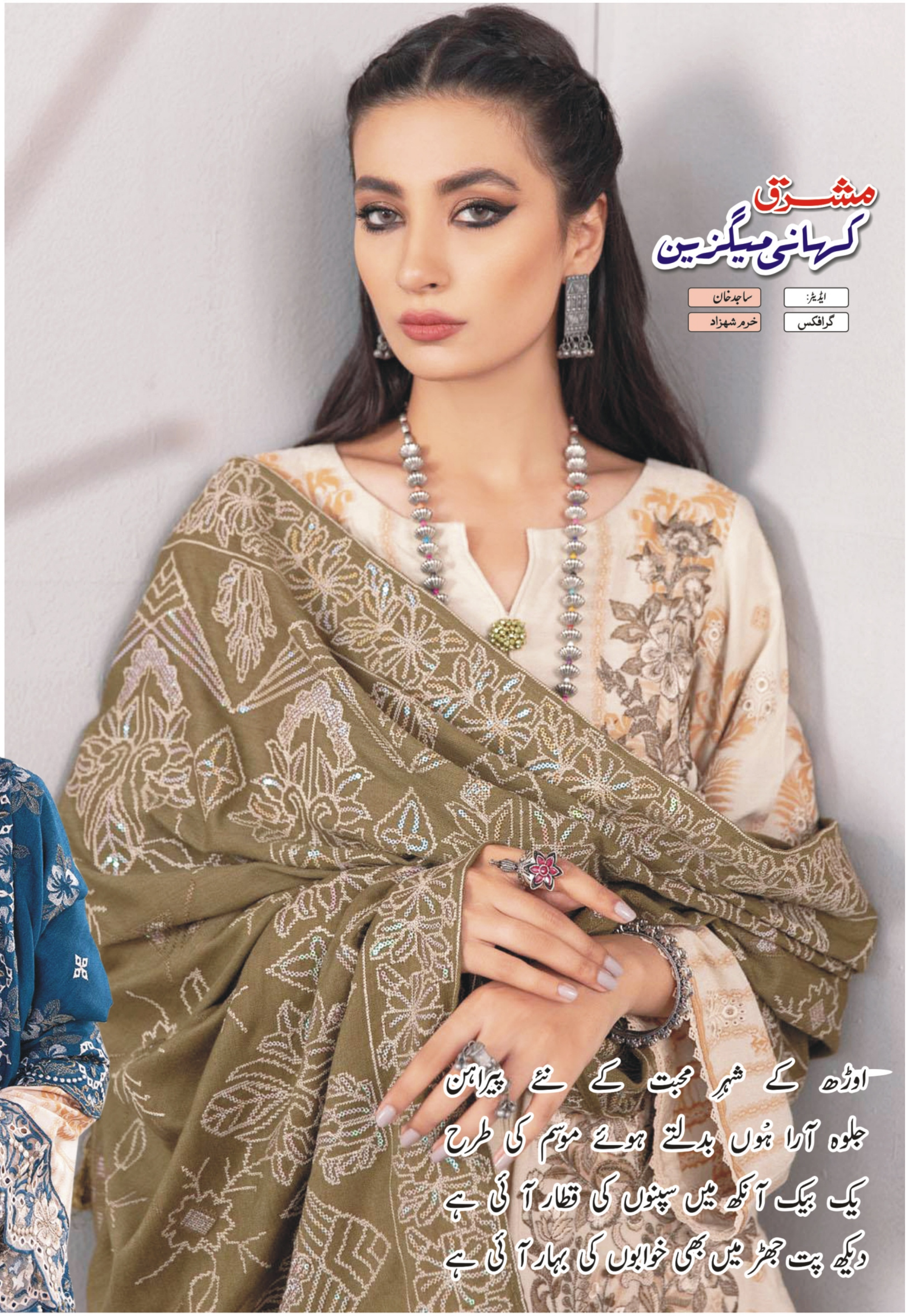
مشرق
کہانی میگزین
ایڈیٹر: ساجد خان
گرافکس خرم شہزاد
اوڑھ کے شہرِ محبت کے نئے پیراہن
جلوہ آرا ہوں بدلتے ہوئے موسم کی طرح
یک بیک آنکھ میں سپنوں کی قطار آ ئی ہے
دیکھ پت جھڑ میں بھی خوابوں کی بہار آ ئی ہے

عثمانی خلافت کے آخری خلیفہ... عبدالمجید دوئم

جن کی تدفین مرنے کے 10 سال بعد پاکستان کے گورنر جنرل کی سفارش پر ہوئی

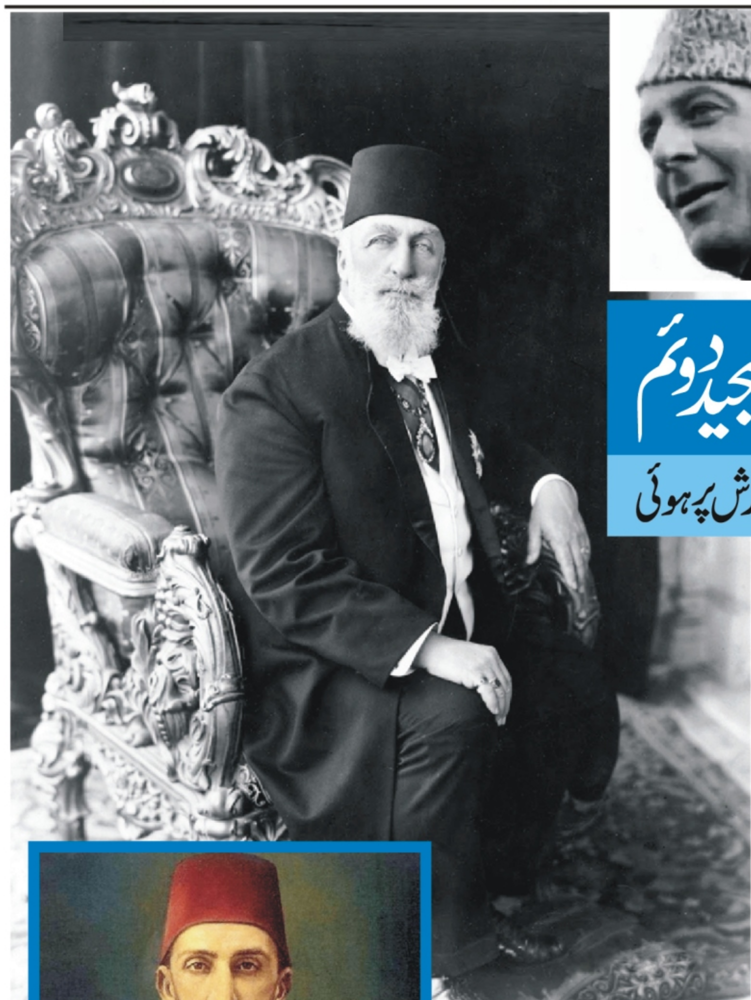

......ویب ڈیسک......

عثمانی خلافت کو ختم ہوئے لگ بھگ 20 سال ہو چکے تھے جب آخری خلیفہ عبدالمجید دوم کا انتقال 76 سال کی عمر میں 23 اگست 1944 کو فرانس کے شہر پیرس میں جلاوطنی کاٹتے ہوا۔ ان کی خواہش تھی کہ انھیں ترکی میں ہی دفن کیا جائے لیکن اس خواہش کو پورا کرنا آسان نہ تھا۔ وفات کے تقریباً 10 سال کے بعد ان کی یہ خواہش کسی حد تک مکمل تو ہوئی لیکن اس میں تین شخصیات نے اہم کردار ادا کیا جن میں پاکستان کے ایک سربراہ مملکت، سعودی عرب کے بادشاہ اور حیدرآباد ریاست کی ایک شہزادی شامل تھے۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے لیکن اس کہانی سے قبل جانتے ہیں کہ عبدالمجید دوم کون تھے اور ایک زمانے میں دنیا کے بڑے حصے پر حکومت کرنے والی سلطنت عثمانیہ کے آخری خلیفہ، جن کا نام آخری وقت تک اسلامی دنیا میں عزت و احترام سے لیا جاتا رہا، اپنے ہی وطن سے جلاوطن ہو کر فرانس میں کیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔

عبدالمجید ولد عبدالعزیز: بے اختیار خلیفہ سے جلاوطنی تک

عبدالمجید کی قسمت دیکھیے کہ 19 نومبر 1922 کو جب 54 سال کی عمر میں خلیفہ بنے تو 18 دن قبل ہی یکم نومبر سنہ 1922 کو ترک پارلیمنٹ عثمانی سلطان کی حکومت کے خاتمے کے حق میں ووٹ دے چکی تھی۔ یعنی عبدالمجید خلیفہ تو بنے لیکن سلطان نہ تھے۔ اکتوبر سنہ 1923 میں ترک جمہوریہ کا اعلان کر دیا گیا اور کمال اتاترک نے صدر کا عہدہ سنبھال لیا۔ اس طرح اتاترک نے ترکی میں سب سے اہم سیاسی عہدہ سنبھال لیا جبکہ خلیفہ عبدالمجید دوم استنبول میں اپنے محل میں بغیر کسی طاقت کے رہے۔

برطانوی نشریاتی ادارے عربی کے محمد عبدالرؤف کے مطابق ’لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس تقسیم نے بھی اتاترک کو مطمئن نہیں

کیا۔‘ شائع ہونے والی ایک تحریر کے مطابق ’دسمبر سنہ 1923 میں ترک اخبارات نے ہندوستانی مسلم رہنماؤں کے دستخط شدہ ایک خط لیک کیا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ترک حکومت خلافت کی حیثیت برقرار رکھے۔ اتاترک کے حامیوں نے اس معاملے کا فائدہ اٹھایا اور اس خط کو ترکی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی کوشش قرار دیا۔‘

اتاترک نے عبدالمجید دوم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ خلیفہ ’سابقہ سلطانوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور وہ غیر ملکی سفیروں کے ساتھ رابطے میں ہیں‘ اور پھر یکم مارچ سنہ 1924 کو پارلیمنٹ کے سامنے کہا کہ ’اسلام کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے سے روک کر بلند کیا جائے گا۔‘ 3 مارچ سنہ 1924 کو اتاترک کے وفادار نمائندوں نے وزارت اوقاف کو ختم کرنے، ایک متحدہ تعلیمی نظام قائم کرنے اور خلافت کے خاتمے کے لیے تین منصوبے پیش کیے تو حکومت کے وزیر انصاف سید بے نے کھڑے ہو کر کہا کہ ’خلافت عارضی طاقت کا مترادف ہے۔ اقتدار سے علیحدگی کے بعد اس کی بقا کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔‘ یہ بحث اس وقت ختم ہوئی جب پارلیمنٹ نے تینوں قوانین کی منظوری کے لیے ووٹنگ کی، جس کے نتیجے میں خلیفہ عبدالمجید دوم کو 4 مارچ کو ملک چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ عمران ملا نے مڈل ایسٹ آئی کے لیے تحریر مضمون میں لکھا ہے کہ ’جب جدید ترکی کے پہلے اور آخری خلیفہ نے ملک بدری کا حکم سنا تو انھوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن ری پبلکن فوجی، جو

باسفورس کنارے ان کے محل کو گھیرے ہوئے تھے، بھی پیچھے نہیں ہٹنے والے تھے۔‘ دی لاسٹ اوٹومین پرنس نامی کتاب میں مصنف مراد بردکی نے لکھا ہے کہ آخری بار اپنے محل سے نکلتے ہوئے عبدالمجید نے کہا کہ ’یاد رکھو قبر میں میری ہڈیاں بھی ترک لوگوں کے لیے دعا کرتی رہیں گی۔‘

فرانس میں غربت اور حیدرآباد ریاست

خلافت کے خاتمے کے چند ہی گھنٹے بعد جب وہ چار مارچ 1924 کو آنکھوں میں آنسو اور دو بیویوں، ایک بیٹے اور ایک بیٹی کو لیے پہلے سوئٹزرلینڈ اور پھر فرانس جانے پر مجبور ہوئے تو ان کے پاسپورٹ پر بس عبدالمجید وَلَد عبدالعزیز ہی لکھا تھا، کسی خطاب، کسی عہدے کے بغیر۔ ترکی، جہاں ان کے عثمانی آباؤ اجداد قریب 600 سال حکمران رہے تھے، ایک نئی شکل اختیار کر چکا تھا۔ جمعہ کے خطبے سے خلیفہ کا نام ہٹ چکا تھا اور اب وہ فرانس میں غریب اور تقریباً بے گھر تھے۔ کے ایس سیشن نے اخبار ’دی ہندو‘ کے لیے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ’ایسے میں ہلال احمر سوسائٹی نے دنیا بھر کے مسلم حکمرانوں سے اپیل کی کہ وہ خلیفہ کی مدد کو آئیں۔‘ ٹائم میگزین کے مطابق 1930 کی دہائی میں برطانوی ہند کی ریاست حیدرآباد کے نظام میر عثمان علی خان دنیا کے امیر ترین آدمی تھے۔

سیشن لکھتے ہیں کہ برصغیر میں تحریک خلافت کے سرکردہ رہنما ’مولانا شوکت علی اور ان کے بھائی، مولانا محمد علی کے قائل کرنے پر، ریاست حیدرآباد کے آخری نظام میر عثمان علی خان، آصف جاہ ہفتم، نے ہندوستان کے گورنر جنرل سے اجازت لے کر معزول خلیفہ کو تاحیات ماہانہ 300 پاؤنڈ پنشن اور خاندان کے کئی افراد کو الاؤنس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔‘ یوں عبدالمجید کا گزر بسر ممکن ہوا۔

ذرِشہوار اور اعظم جاہ کی شادی

عبدالمجید کی اکلوتی بیٹی ذرِشہوار بہت خوب صورت تھیں۔ الزبتھ خان نے اپنے مضمون ’عثمانی پرنسیسز ان انڈیا‘ میں لکھا ہے کہ شاہ فارس اور مصر کے شاہ فواد اول نے اپنے اپنے وارثوں، محمد رضا پہلوی اور فاروق کے لیے اور حیدرآباد کے نظام میر عثمان علی خان نے اپنے بڑے بیٹے اور وارث شہزادہ اعظم جاہ کے لیے ان کا رشتہ مانگا۔ 1931 سنہ میں درشہوار کے والد نے 17 سال کی عمر میں ان کی شادی اعظم جاہ سے کرا دی۔ ڈاکٹر یوکسل نظاموگلو کے مطابق اس شادی کے بعد عبدالمجید کا وظیفہ 500 پاؤنڈ ماہانہ ہو گیا۔ سیشن لکھتے ہیں کہ 50 ہزار پاؤنڈ مہر کا مطالبہ کیا گیا، جسے نظام نے بہت زیادہ جانا۔

’شوکت علی کی مداخلت پر، اسی مہر کے بدلے، نظام کے چھوٹے بیٹے معظم جاہ کی شادی ماہ پیکر سلطان سے کرنے کی پیشکش کی گئی تو نظام نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے اپنے دونوں بیٹوں کو شادی کے لیے فرانس بھیج دیا۔‘ تاہم، جب وہ فرانس پہنچے تو معظم کو عبدالمجید کی بھانجی نیلوفر سلطان پسند آ گئیں۔ یوں حیدرآباد ریاست کے دو شہزادے دو ترک شہزادیوں کو ساتھ لیے سمندری جہاز سے ہندوستان روانہ ہوئے۔

عبدالمجید کا انتقال اور ترکی میں دفن ہونے کی خواہش

عبدالمجید پیرس میں آباد ہوئے اور پیرس کی گرینڈ مسجد میں نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ اپنے بہت ہی پیارے پوتے اور بیٹے کے فرانس چھوڑ کر جانے کے بعد انھوں نے اکیلے تکلیف دہ دن گزارے۔ انھوں نے یادداشتوں کی 12 جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی، جسے ان کی بیٹی درشہوار نے محفوظ کیا۔

عبدالمجید کا انتقال ہوا تو دوسری عالمی جنگ جاری تھی اور پیرس جرمنی کے قبضے میں، جس کو چھڑوانے کے لیے گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ شاید اسی لیے کئی دن تک ان کی لاش فلیٹ میں ہی پڑی رہی۔ 25 اگست 1944 کو پیرس میں جرمن فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور ایک جانب پیرس آزاد ہوا تو دوسری جانب پڑوسیوں کی شکایت کے بعد علم ہوا کہ معزول خلیفہ اب نہیں رہے۔

اس کے بعد پیرس کی گرینڈ مسجد نے ان کی میت کو 10 سال امانتاً رکھا اور پھر مسجد کے بورڈ آف ٹرسٹیز نے بتایا کہ وہ ان کی لاش کو مزید نہیں رکھ سکتے۔ وہ خود ترکی یا ہندوستان کے شہر حیدرآباد میں دفن ہونا چاہتے تھے لیکن دونوں خواہشات ہی آسان نہ تھیں۔

عبدالمجید پاکستانی سربراہ مملکت کی مدد سے دفن ہوئے

عبدالمجید کی بیٹی شہزادی ذرِشہوار نے اپنے والد کی میت کو استنبول میں دفنانے کے لیے کئی کوششیں کیں لیکن ترک حکومت سے اجازت نہ ملی۔ صحافی عمران مُلا مڈل ایسٹ آئی میں لکھتے ہیں کہ 1940 کی دہائی کے اوائل میں تب ریاست حیدرآباد اور اب انڈیا میں مہاراشٹر کے علاقے اورنگ آباد میں عبدالمجید کے لیے نظام نے ایک مقبرہ بنوایا تھا۔ لیکن ان کی وفات کے وقت تک حالات بدل چکے تھے اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک عروج پر تھی۔ ملا کے مطابق نظام نے ہندوستان میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کو دیکھتے ہوئے، خلیفہ کی میت کو ہندوستان لانا غیر دانشمندانہ سمجھا۔

ایسے میں مدینہ میں جنت البقیع کے قبرستان میں آخری مسلمان خلیفہ کی تدفین کے بارے میں سوچا گیا۔ یاد رہے کہ عثمانی حکمرانوں نے عرب میں چار صدیوں تک حکومت کی تھی لیکن جس زمانے کی بات ہم کر رہے ہیں تب تک نہ صرف سعودی عرب ایک خودمختار ملک بن چکا تھا بلکہ ہندوستان بھی تقسیم ہو چکا تھا انڈیا اور پاکستان کی دو ریاستیں جنم لے چکی تھیں۔ حیدرآباد کی ریاست نظام کی خواہش کے برخلاف انڈیا کے فوجی آپریشن کے نتیجے میں آزاد حیثیت کھو چکی تھی۔

اطہر معین نے دکن کرانیکل میں اپنے مضمون کے لیے حیدرآباد دکن کے ایک مورخ اروند اچاریا سے بات کی جن کے پاس شہزادی نیلوفر کے ذاتی سامان کا انوکھا ذخیرہ ہے۔ اچاریا کے مطابق ’شہزادی نیلوفر کی زندگی کا ایک اہم لمحہ 1954 میں پیش آیا جب انھیں ایک دن شہزادی درشہوار کا فون موصول ہوا جس میں ایک خاص کام کے لیے ان کی مدد کی درخواست کی گئی تھی۔‘ ’یہ کام مشکل تھا اور نیلوفر اسے کرنے سے گریزاں تھیں۔ انھوں نے اپنی ماں سے مشورہ کیا، جنھوں نے انھیں اس کے لیے اپنی بہترین کوشش کرنے کو کہا۔‘ اچاریا کے مطابق اس کے بعد شہزادی نیلوفر نے ملک غلام محمد کو فون کیا، جو ایک زمانے میں حیدرآباد ریاست کے لیے کام کر چکے تھے۔ لیکن اس وقت وہ پاکستان کے گورنر جنرل تھے۔

اچاریا کے مطابق ’غلام محمد نے سعودی عرب کے اس وقت کے شاہ سعود بن عبدالعزیز سے درخواست کی اور آخرکار سعودی شاہ نے یہ درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ کوئی عوامی تقریب نہیں ہوگی اور نہ ہی قبر پر کوئی نشان ہوگا۔‘ یوں شہزادی نیلوفر اور پاکستان کے گورنر جنرل ملک غلام محمد نے اس بات کو یقینی بنایا کہ آخرکار عبدالمجید 30 مارچ 1954 کو مدینہ میں جنت البقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ اور عبدالمجید کی خواہش بھی یوں پوری ہو گئی کہ اگرچہ ترکی میں انھیں مدفن نہیں مل سکا لیکن وہ ایک ایسے مقام پر دفن ہوئے جو ایک عرصہ تک سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہا۔ خود شہزادی نیلوفر، جن کی کوئی اولاد نہ تھی، شادی کے 21 سال بعد شوہر سے علیحدہ ہو کر پیرس چلی گئیں جبکہ شہزادی درشہوار نے بھی شادی کے 23 سال بعد طلاق لی اور پھر 2006 میں 92 سال کی عمر میں اپنی موت تک لندن میں مقیم رہیں۔ ترک لکھاری ابراہیم دوغان لکھتے ہیں کہ ’درشہوار نے ترکی میں دفن ہونے سے انکار کر دیا کیونکہ انقرہ کی حکومت نے 62 سال پہلے ان کے والد کی تدفین کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔‘

☆......☆

شام کے سائے تلے

تحریر: بسمیٰ راحت

(قسط نمبر 115)

......گذشتہ قسط کا آخری پیراگراف)

اسے خیردین اس وقت بہت ہی اچھا لگا تھا، کافی خوبصورت تھا وہ، اگر اپنا حلیہ بگاڑے نہ رہتا، آنکھوں میں کاجل نہ ہوتا اور چہرے کے انداز میں ایسی احمقانہ کیفیت شامل نہ ہوتی تو اسے ایک حسین نوجوان کہا جاسکتا تھا، چوڑے چکلے بدن کا مالک، شاندار شکصیت جو اس سے ان الفاظ میں باتیں کررہی تھی، اس کے ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ بکھر گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

''خیر دین مجھے کچھ وقت بھی نہیں دوگے، اس کے انداز میں ایسی نگانگت ایسی اپنائیت تھی کہ خیردین چونک کر سنبھل گیا۔

''لوجی، آپ نے خیردین ولدبشیردین چک نمبر اٹھارہ ضلع گوجرانوالہ کو اتنا ہی تنگ دل سمجھ رکھا ہے ایسے لہجے میں کہ بات کرکے جی آپ ساری زندگی ہمیں کچھ نہ بتائیں تب بھی ہم نہ پوچھیں گے آپ کے بارے میں۔''

''اوجی ٹھیک ہے جی، نہیں پوچھیں گے اپنے دل کو سمجھالیں گے، اور کہہ دیں گے ہم تو دل سے ردابی بی کے دوست ہیں پر انہیں کچھ وقت لگے گا، ٹھیک ہے جی ٹھیک ہے آپ ہمیں ہمارا کام بتائیں۔'' خیردین نے سادہ انداز میں کہا۔

''کام'' رداچونک پڑی

(آگے پڑھیئے)

ردانے آہستہ سے کہا ''نہیں خیردین کوئی خاص کام نہیں تھا، بس اس دن سے ثاقب نظر نہیں آیا، میں نے سوچا اس کے بارے میں تم سے معلوم تو کرلوں، تم نے بڑی دل دہلا دینے والی باتیں کی تھیں میں جانتی ہوں کہ تم کسی کو قتل نہیں کرسکتے، لیکن ثاقب کو تم نے کہاں غائب کردیا آخر کچھ تو بتاؤ

''وہ جی محفوظ ہے، جب بھی آپ اسے مانگیں گی ہم سے آپ کو دے دیں گے، لیکن جب تک آپ نہیں چاہوگی ناوہ اطمینان سے رہے گا اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''وہ السر کا مریض ہے۔''

''ہم نے اس کا چیک اپ کرالیا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے، شراب زیادہ پینے کی وجہ سے اس کے معدے میں ایسیڈیٹی ہوگئی ہے، جسے وہ السر سمجھتا ہے، شراب بند کردی ہے ہم نے اس کی بس ٹھیک ٹھاک جی رہا ہے، ممکن ہے کچھ عرصے میں ٹھیک ہوجائے۔'' ردانے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا، پھر وہ آہستہ سے بولی۔

''اس کا مقصد ہے کہ تمہارے اور بھی بہت سے وسائل ہیں۔''

''بس جی خیردین ولدبشیردین کی تو بات ہی کیا ہے۔''

''کاش اپنے بارے میں تمہیں بتا کر میں تم سے تمہارے بارے میں پوچھ سکتی۔''

''نہیں جی، جب بھی کبھی ہم سے اس لہجے میں پوچھوگی ہم جواب دے دیں گے، ہم ایسے ہی بیوقوف آدمی ہیں۔'' خیردین نے کہا، ردا ہنسنے لگی پھر بولی۔

''کاش میرا ایک چھوٹا سا گھر ہوتا خیردین کاش وہاں میں ایک ایسی حیثیت رکھتی کہ جو دل چاہتا وہ میں کرسکتی تو اس وقت گھر میں تمہیں چائے پلاتی پھر کہتی کہ میرے ساتھ رات کا کھانا کھاؤ، میں تمہیں کافی دن اپنے ساتھ رکھتی خیردین، پتہ نہیں کیوں میرے دل میں یہ آرزو بار بار پیدا ہوتی ہے کہ میں یہاں سے الگ ہوجاؤں، ثناء مجھے جانے نہیں دیتی، میں خیردین میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اگر اپنی زندگی کی کہانی سنانے کا موقع ملا تو تم وہ پہلے آدمی ہوگے جسے میں یہ کہانی سناؤں گی، جسے اپنی حقیقت بتاؤں گی اور اس کے بعد یہ کہانی کسی دوسرے کے کانوں تک جائے گی، میں ناسپاس نہیں ہوں ثناء کی حیثیت کو کم نہیں کرنا چاہتی خیردین، لیکن لیکن بس یہ میری آرزو ہے کہ میں.. میں تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤں، صرف تمہیں، اور اس کے بعد تم جس کو دل چاہے جو بات سنادو سمجھے خیردین اپنے جذبات کا اظہار میں اس سے زیادہ مناسب الفاظ میں نہیں کرسکتی بس پلیز مجھ پر بھروسہ کرلو، مجھ پر بھروسہ کرلو۔''

''مجھے آپ پر بھروسہ ہے ردابی بی، مکمل بھرسہ ہے لیکن کچھ ایسی الجھنیں راستے میں آجاتی ہیں کہ مجھے رکنا پڑتا ہے۔''

''مطلب؟''

''آپ کی کچھ اصول پسندیاں آپ کی کچھ مجبوریاں کچھ ایسی باتیں جو آپ کے علم میں ہیں لیکن جنہیں بتاتے ہوئے آپ آپ نجانے کیسے کیسے خیالات سے گزریں، ردابی بی، میں اپنے کسی ذاتی مقصد کے لئے آپ کو استعمال نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر آپ میرے لئے اپنے ذہن میں کچھ اور لچک کچھ اور نرمی پیدا کرلیں تو چند سوالات آپ سے ضرور پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''اگر وہ سوالات میری زندگی سے متعلق نہیں ہیں خیردین تو تم یقین کرو کہ میں تمہیں ہر سوال کا جواب دوں گی، میں اپنے آپ کو بس ایک مخصوص وقت تک محدود رکھنا چاہتی ہوں اس وقت تک جب تک ثناء کی شادی نہ ہوجائے۔ اس وقت تک جب تک یہ لوگ مجھے یہاں سے جانے کی اجازت نہ دے دیں، میری زندگی میں کوئی ایسا جرم نہیں ہے خیردین جو مجھ شرمندہ کرتا ہوں جو مجھے خوفزدہ کرتا ہو، تم یقین کرو میں بے داغ زندگی کی مالک ہوں، بس کچھ ایسے واقعات میری زندگی سے وابستہ ہیں جنہیں میں دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہتی، ہاں جب اپنے آپ کو اس جگہ پالوں گی جہاں میں جانا چاہتی ہوں تو پھر میں خود سے متعلق ایک بات بھی نہیں چھپاؤں گی لیکن تم خیردین کیا تم بھی کسی ایسی ہی الجھن کا شکار ہو؟''

''دیکھو جی ردابی بی، خیردین ولدبشیردین شکل سے بیوقوف ضرور نظر آتے ہیں لیکن بڑے چالاک ہیں جی، ہم اس وقت تک آپ کو اپنے بارے میں نہیں بتائیں گے جب تک آپ زبان نہیں کھولیں گی، چاہے آدھی آدھی کیون نہ سہی، آدھی کہانی آپ ہمیں اپنی سنادو، تو آدھی کہانی ہم آپ کو اپنی سنادیں گے، بس یہی رعایت ہوسکتی ہے ہمارے اور آپ کے درمیان۔'' ردا ہنسنے لگی پھر بولی

''بہت چالاک ہو تم خیردین، تم اسے اس انداز میں گفتگو کرتے ہوئے شرم بھی آتی ہے پتہ نہیں بعد میں کیا نکلو۔''

تفسیر شہاب کا جگری دوست تھا، اگر اسے اسٹیشن پر رسیو نہ کیا جاتا تو بگڑ جاتا، اس لئے نجانے کتنے عرصے کے بعد شہاب نے ریلوے اسٹیشن پر قدم رکھا تھا۔ سیاہ چادر گیٹ سے نکلی، ٹکٹ چیکر جگہ چھوڑ چکا تھا اس لئے گیٹ خالی پڑا تھا

''نہیں جی ایک بھروسہ اور کرلیں آپ ہم پر، ہم جو بھی نکلے آپ کے لئے خیردین ہی رہیں گے کم از کم اپنے طور پر آپ کا جو دل چاہے سمجھ لینا..... مگر خیردین ولد بشیر دین صرف خیردین ہی رہیں گے۔''

''تمہاری زبان کھلوانا بہت مشکل ہے میں نے تو سوچا تھا کہ تم ضرور مجھے اپنے بارے میں بتادوگے۔'' ردانے کہا۔

''ہاں جی بتادیں گے اور وعدہ کرتے ہیں کہ جب بھی کبھی اپنے بارے میں بتانے کا موقع آیا تو سب سے پہلے آپ ہی کو بتائیں گے۔'' خیردین نے کہا اور ردا کھلکھلا کر ہنس پڑی، اس طرح اسے ہنستے ہوئے بہت کم دیکھا گیا تھا، خیردین عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، محبت اور چاہت کے لاتعداد جذبے ان آنکھوں میں جگمگا رہے تھے اور ردا ردا ابھی شاید اتنا پختہ ذہن نہیں رکھتی تھی کہ ان جذبوں کی زبان کو پڑھ سکے۔

''ہم جائیں جی؟''

''جاؤ جاؤ کون روک رہا ہے تمہیں لیکن تم مجھے وہیں چھوڑ کر جارہے ہو جہاں سے میں نے ابتداء کی تھی۔''

''بی بی جی، یہ تو دکانداری ہے سودا دو، دام لو دام دو سودا لو، برابر برابر، ففٹی ففٹی، خداحافظ'' خیردین نے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا، نجانے کیوں ردا کو اس کی یہ ادا بے حد بھائی تھی، وہ چشم تصور سے دروازے کے قریب کھڑے خیردین کو دیکھ رکھی تھی۔

''ففٹی ففٹی...سودا دو، دام لو دام دو سودا لو، برابر برابر، ففٹی ففٹی۔'' اس نے آنکھیں بند کرلیں، خیردین آج ایک نئے انداز میں اس کے سامنے ایا تھا، اس کے اندر شوخی تھی، شرارت تھی، ذہانت تھی، سچائی تھی اور اور کشش بھی تھی۔

''اونہہ.. کیا فضول باتوں میں پڑگئی میں' وقت بہت ہوچکا ہے'' اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر دروازہ بند کرکے غسل خانے کی جانب بڑھ گئی۔

ندرت اختر سے کترا رہی تھی، اس شخص نے اسے کئی دن سے پریشان کر رکھا تھا حالانکہ اس دن کے بعد سے اب تک کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی، لیکن نجانے کیوں ندرت کو اختر کے سامنے جاتے ہوئے کچھ عجیب سا لگتا تھا، جمن خود بخود کٹ گیا تھا، اس نے ندرت کو خوب جلی کٹی سنائی تھیں اور کہا تھا کہ وہ بہت ہی ظالم زمانہ ہے اور جمن اس سے نفرت کرنے لگا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابھی تک جمن کی طرف سے کسی انتقامی کاروائی کا آغاز نہیں ہوا تھا، اس وقت دن کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ کوٹھی کے معمولات ہمیشہ کے مطابق تھے احسان صاحب کسی کاروباری دورے پر ملک سے باہر گئے ہوئے تھے، شہاب کے بھی معمولات جوں کے توں تھے، چنانچہ کوٹھی میں کوئی خاص ہنگامہ نہیں تھا، خالد بھی کسی کام سے گیا ہوا تھا، اختر پائیں باغ کی جانب نکل آیا اور پھر اتفاقیہ طور پر ہی اس کی نگاہ ندرت پر پڑگئی جو شاید ثناء کی تلاش میں اپنے کوارٹر سے نکل کر کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب جارہی تھی، اختر نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور ندرت بھونچکی سی ہوکر رک گئی۔

''ذرا تشریف لایئے۔'' اختر نے عجیب سے انداز میں کہا، ندرت پر اس سے پہلے کبھی ایسی بوکھلاہٹ نہیں طاری ہوئی تھی، اس نے خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

''جی فرمایئے۔''

''شرافت سے آجاؤ دوست ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' اختر نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور ندرت کو یہ الفاظ بھی عجیب سے لگے۔ اختر پلٹ کر آگے بڑھ گیا تھا، یہ خوداعتمادی حیران کن تھی لیکن ندرت سے یہ بھی نہ ہوسکا کہ وہ اس کی بات نہ مانتی، اختر بغلی لان کی جانب چل پڑا تھا، تھوڑی دیر کے بعد ندرت بھی اس کے قریب پہنچ گئی۔

''مجھ سے کوئی کام ہے اختر صاحب''

''لڑکیاں بہت کم دغاباز ہوتی ہیں، لیکن اگر ہوتی ہیں تو پھر پیٹ بھر کر، آپ کے بارے میں کیا فیصلہ کروں میں ندرت۔''

''بہت زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کررہے ہیں آپ۔''

''جی ہاں، آپ کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔''

''مگر کیوں؟''

''کمال ہے یعنی اس دن اتنی یگانگت اور محبت اور اس کے بعد پھر وہی بے اعتنائی، ندرت صاحبہ مان لیا کہ آپ بے حد خوبصورت ہیں ذہین ہیں لیکن ہم بھی کسی سے کم نہیں ہیں، آپ بڑی مشکل سے جڑے ہوئے رشتے کو پھر سے توڑنا چاہتی ہیں۔''

''مگر کونسے رشتے کی بات کررہے ہیں آپ''

''وہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کا رشتہ''

''منہ دھو رکھیئے اختر صاحب، میں ایسی احمقانہ باتوں کو اہمیت نہیں دیتی۔''

''ٹھیک ہے باس، لیکن اختر اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہے، صرف ایک بات بتادیجئے آپ اس کے بعد آپ کی چھٹی۔''

''جی جی فرمایئے۔'' ندرت نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''گوشۂ دل میں کسی اور کا بسیرا ہے یا کتاب کے تمام اوراق سادہ ہیں، اگر کسی ورق پر کوئی نام درج کردیا ہے تو اختر شریفانہ انداز میں گردن جھکا کر واپس لوٹ جائے گا، لیکن اگر اوراق سادہ ہیں تو یہ قلم قبول فرمایئے اور اختر کا نام لکھ لیجئے اختر نے جیب سے ایک قلم نکال کر ندرت کی جانب بڑھا دیا، اظہار محبت کا یہ بے باکانہ انداز کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی، وہ فاصلے جو نجانے کتنی خلیجوں کو عبور کرنے کے بعد طے کئے جاتے ہیں ایک ہی چھلانگ مار کر پار کرلینا اور اتنی آسانی سے مقصد کا اظہار کردینا بڑے دل گردے کا کام تھا، ندرت پاگلوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی، اس کے الفاظ اور ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔ پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھل گیا، اختر کا پین والا ہاتھ آگے بڑھا ہوا تھا ندرت نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور پریشان لہجے میں بولی۔ (باقی جاری ہے)

سہیل احمد...

جس بچے کے لیے بولنا ناممکن تھا، آج وہ دوسروں کو ان کی آواز دے رہا ہے

کبھی کبھار انھیں مغرور یا بدتمیز بھی کہا جاتا۔ وقت گزرتا گیا اور انھیں دوسروں کی جانب سے تنگ کیے جانے، تمسخر اور مذاق کا سامنا کرنا پڑا۔

......میگزین رپورٹ......

کبھی کبھار انھیں مغرور یا بدتمیز بھی کہا جاتا۔ وقت گزرتا گیا اور انھیں دوسروں کی جانب سے تنگ کیے جانے، تمسخر اور مذاق کا سامنا کرنا پڑا۔ کسی نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ سہیل نے خاموش رہنے کا فیصلہ ہیں کیا تھا، بلکہ وہ حقیقت میں بول نہیں سکتے تھے۔ اپنی اس کیفیت کی وجہ جاننے میں سہیل کو 20 سال سے زیادہ کا عرصہ لگا۔

پانچ سالہ سہیل احمد دیکھ سکتے تھے کہ ان کے آس پاس موجود لوگ بیتابی سے ان کے بولنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ ان کی ہدایات اپنے ذہن میں سن سکتے تھے، لیکن الفاظ تھے کہ ان کے منھ سے نکلنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'جب میں ماضی کو یاد کرتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میں مفلوج تھا۔ آپ حقیقت میں وہاں موجود ہوتے ہیں، لیکن ایک ہی وقت میں وہاں موجود نہیں ہوتے۔ آپ کمرے میں ہوتے ہیں، لیکن یوں لگتا ہے جیسے آپ کمرے میں ہیں ہی نہیں۔' 'سب لوگ آپ کے کچھ کہنے کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ خود کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے باہر سے خود کو دیکھ رہے ہوں اور خود سے کہتے ہیں 'چلو، کچھ بولو'، لیکن آپ بول نہیں پاتے، آپ سے بولا ہی نہیں جاتا۔' اب چار دہائیوں سے زیادہ عرصے بعد بریڈفورڈ کے جنرل پریکٹیشنر اور کمیونٹی ایکٹوسٹ سہیل کے اس طویل سفر کا اختتام کامیابی پر ہوا ہے۔ وہ جلد بریڈفورڈ آرٹس سینٹر میں ہونے والی ٹی ای ڈی ایکس تقریب کے کلیدی مقررین میں شامل ہوں گے۔

سہیل 'ایک ایسا لڑکا جس کے پاس آواز نہیں تھی' کے عنوان سے خطاب کریں گے۔ یہ پہلا موقع ہوگا جب وہ لوگوں کے سامنے اپنے پانچ سالہ ماضی کے وجود کا سامنا کریں گے۔ سہیل اپنے بچپن کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'کبھی بڑے انھیں شرمیلا کہتے، تو کبھی اناڑی یا ضدی سمجھتے تھے۔' کبھی کبھار انھیں مغرور یا بدتمیز بھی کہا جاتا۔ وقت گزرتا گیا اور انھیں دوسروں کی جانب سے تنگ کیے جانے، تمسخر اور مذاق کا سامنا کرنا پڑا۔ کسی نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ سہیل نے خاموش رہنے کا فیصلہ ہیں کیا تھا، بلکہ وہ حقیقت میں بول نہیں سکتے تھے۔ اپنی اس کیفیت کی وجہ جاننے میں سہیل کو 20 سال سے زیادہ کا عرصہ لگا۔

میڈیکل کی تعلیم کے دوران جب سہیل ہل یارک میڈیکل کالج میں بچوں کی نفسیات کا مطالعہ کر رہے تھے، تو ایک روز انھوں نے درسی کتاب میں ایک عبارت پڑھی۔ وہ کہتے ہیں کہ 'اس میں لکھی ہوئی باتیں بالکل ویسی ہی تھیں جیسے میں بچپن میں تھا۔' 'وہ شاید صرف چھ یا سات سطروں کا ایک مختصر سا پیراگراف تھا، لیکن جیسے ہی میں نے اسے پڑھا، مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ میرے بارے میں ہے۔'

اس عبارت میں ایک کیفیت کا ذکر تھا جسے 'سلیکٹو میوٹزم' کہا جاتا ہے۔ یہ بے چینی سے متعلق ایک ایسی کیفیت ہے جس میں کوئی شخص بعض حالات میں بول سکتا ہے، لیکن دوسری صورتِ حال میں اس کے لیے بولنا ممکن نہیں رہتا۔ اس کے نتیجے میں بعض اوقات انسان پر جیسے سکتہ طاری ہو جاتا ہے، شدید بے چینی پیدا ہوتی ہے یا گھبراہٹ کے دورے پڑ سکتے ہیں۔

اس دریافت یا یہ سب سامنے آنے سے سہیل کو ایک طرح کا اطمینان تو ملا، لیکن اس کے ساتھ کچھ تکلیف دہ سوالات بھی سامنے آئے۔ بچپن میں انھیں کسی قسم کی مدد نہیں ملی تھی اور بعد کی زندگی میں بھی وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے لیے کوئی مدد دستیاب ہو سکتی ہے۔

سہیل کہتے ہیں کہ انھوں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا، لیکن یہ خیال ان کے ذہن سے کبھی پوری طرح نہیں نکلا، یہاں تک کہ تعلیمی اور پیشہ ورانہ زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے باوجود بھی۔ طبی شعبے سے وابستہ ہونے کے بعد ان کے پاس اپنی آواز استعمال کرنے کے سوا زیادہ راستہ نہیں تھا۔ 'میں روزانہ تقریباً 20 مریضوں کو دیکھتا ہوں، تو آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر میں نے بات نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہوتا تو یہ میرے لیے کتنا مشکل ہوتا۔' اس کے باوجود وہ ایسی صورتِ حال سے اب بھی گریز کرتے تھے، جہاں انھیں اجنبی لوگوں کے سامنے بات کرنا پڑ سکتی تھی۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ زندگی کو بس اسی طرح 'جاری' رکھنے پر مطمئن تھے۔ پھر دو ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے اپنی آواز کے ساتھ سہیل کے تعلق کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔

پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا جب ان کی پانچ سالہ بیٹی میں بھی ایسی علامات نظر آنے لگیں، جن سے محسوس ہوتا تھا کہ شاید وہ بھی اسی کیفیت کا سامنا کر رہی ہیں۔ سہیل کو یاد ہے کہ ان کی بیٹی کی ایک ٹیچر نے ان سے پوچھا کہ وہ بول کیوں نہیں رہی اور کہا کہ ضرور اس کے ساتھ کچھ مسئلہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہوں۔' 'اس بات نے میرے اندر جذبات کا ایک طوفان برپا کر دیا اور چند لمحوں کے لیے میں دوبارہ پانچ سال کا بچہ بن گیا۔ اپنی بیٹی کے پاس کھڑا رہا، اس کا ہاتھ تھامے ہوئے۔' سہیل نے اپنی بیٹی امینہ کے لیے سپیچ اور لینگویج تھراپی کا انتظام کیا۔ اب وہ اچھی طرح نشوونما پا رہی ہیں اور ان مشکلات کا سامنا نہیں کر رہیں، جن سے سہیل کو اپنی اسی عمر میں گزرنا پڑا تھا۔ دوسرا واقعہ جس نے سہیل کی زندگی کا رخ بدل دیا، وہ کورونا وائرس کی عالمی وبا تھی۔

بریڈفورڈ میں رہنے والی برادریاں غلط معلومات کے پھیلاؤ سے بری طرح متاثر ہو رہی تھیں اور لوگ قابلِ اعتماد طبی معلومات کے ذرائع تلاش کر رہے تھے۔ سہیل تسلیم کرتے ہیں کہ بحیثیت جنرل پریکٹیشنر لوگوں کی جانب سے ملنے والی توجہ نے انھیں بے آرام کر دیا تھا، لیکن یہ بحران انھیں اپنی ذاتی جھجھک سے کہیں بڑا محسوس ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ 'کسی نہ کسی کو آگے بڑھ کر کچھ کہنا اور لوگوں کو یقین دلانا تھا۔'

'اگر یہ ذمہ داری مجھے نبھانی ہے، اپنی برادری اور ملک کی خاطر، تو مجھے یہ کرنا ہوگا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر مشکل پر قابو پانا ہوگا۔'

لوگوں سے کھل کر بات کرنے اور اپنے خوف پر قابو پانے کے بعد سہیل نے محسوس کیا کہ ان کے آس پاس ایسے اور بھی لوگ موجود ہیں، جن کے پاس دوسروں کے لیے کچھ قیمتی کہنے کو ہے، لیکن ان میں اعتماد کی کمی ہے یا شاید وہ بھی اسی طرح کے خوف کا سامنا کر رہے ہیں۔

'بریڈفورڈ فار بیٹر' مہم کے ساتھ کام کرتے ہوئے سہیل نے عوامی سطح پر گفتگو کرنے کا ایک کورس تیار کیا۔ انھوں نے عوامی سطح پر تقریر اور گفتگو کی تنظیم 'ٹوسٹ ماسٹرز انٹرنیشنل' کی بریڈفورڈ شاخ بھی قائم کی۔

اب ان کی نگرانی میں تربیت حاصل کرنے والے افراد سٹیج پر کھڑے ہو کر یا آن لائن بڑی تعداد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 'اب مجھے اپنے آس پاس کے لوگوں کو آگے بڑھتے اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتے دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی سنڈی اپنے خول میں پھنسی ہوئی باہر نکلنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہو۔ لیکن جیسے ہی وہ باہر آتی ہے، آپ کو اس کے پر اور ان کے رنگ نظر آتے ہیں اور وہ اڑنے لگتی ہے۔ یہ منظر بہت خوبصورت ہوتا ہے۔'

برطانیہ کی نیشنل ہیلتھ سروس (این ایچ ایس) کے مطابق ہر 140 میں سے ایک بچے کو 'سلیکٹو میوٹزم' کا سامنا ہوتا ہے، تاہم رائل کالج آف سپیچ اینڈ لینگویج تھراپسٹس کی مشیر اور سپیچ لینگویج پیتھالوجسٹ انیتا میک کیئرنن کا کہنا ہے کہ اصل صورتِ حال اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہو سکتی ہے۔ پری سکول کے بچوں پر کی جانے والی تحقیق سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ تعداد خاصی زیادہ ہو سکتی ہے۔ بعض مطالعات کے مطابق کثیر لسانی برادریوں سے تعلق رکھنے والے بچوں اور تارکینِ وطن کے بچوں میں یہ کیفیت عام بچوں کے مقابلے میں چار گنا تک زیادہ پائی جا سکتی ہے۔

میک کیئرنن سلیکٹو میوٹزم کو بعض مخصوص حالات میں بولنے کی توقع کیے جانے کے مسلسل خوف کے طور پر بیان کرتی ہیں، حالانکہ انسان دوسری صورتِ حال میں با آسانی بات کر سکتا ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ 'یہ کوئی انتخاب یا فیصلہ نہیں ہوتا۔' 'جب خوف کا ردِ عمل شروع ہوتا ہے تو جسمانی اور نفسیاتی اثرات کا ایک پورا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کے باعث اس وقت بولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'

اگرچہ سہیل کے بچپن کے مقابلے میں اب اس کیفیت کو سمجھنے میں نمایاں بہتری آئی ہے، لیکن ماہر انیتا میک کیئرنن کے مطابق سلیکٹو میوٹزم اب بھی بچوں کو متاثر کرنے والی 'سب سے عام اور سب سے زیادہ غلط سمجھی جانے والی کیفیات میں سے ایک' ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ 'یہ کیفیت سماجی بے چینی، بولنے اور زبان سے متعلق مشکلات اور آٹزم کے ساتھ بھی پائی جا سکتی ہے، اس لیے درست تشخیص انتہائی اہم ہے۔'

ان کے مطابق یہ معلوم نہیں کہ کتنے بالغ افراد نے اپنی زندگی میں اس کیفیت کا سامنا کیا لیکن کبھی طبی مدد لینے کے مرحلے تک نہیں پہنچے اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ اس کے طویل مدتی اثرات کیا ہو سکتے ہیں۔

ماہر انیتا میک کیئرنن مزید کہتی ہیں کہ 'ہمارے پاس صرف طبی اعداد و شمار موجود ہیں، یعنی ہم صرف ان لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں جو طبی خدمات تک پہنچے۔' 'کوئی نہیں جانتا کہ کتنے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ شاید ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہو۔ شائع شدہ مطالعات میں بہت سے خلا موجود ہیں۔' دوسری جانب سہیل اب اس کیفیت کو جس نے کبھی ان کی زندگی محدود کر دی تھی، ایک نعمت کے طور پر دیکھتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ 'اگر میں اس تجربے سے نہ گزرا ہوتا تو میرے اندر آج وہ ہمدردی نہ ہوتی اور شاید میں دوسروں میں وہ کچھ دیکھنے کے قابل بھی نہ ہوتا جو اب دیکھ سکتا ہوں۔' 'آپ کی آواز صرف وہ آواز یا لہجہ نہیں جو آپ پیدا کرتے ہیں، یہ اس مقصد کا نام ہے، جس کے لیے اور جس کے ساتھ آپ زندگی گزارتے ہیں۔'

کسی نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ سہیل نے خاموش رہنے کا فیصلہ ہیں کیا تھا، بلکہ وہ حقیقت میں بول نہیں سکتے تھے۔ اپنی اس کیفیت کی وجہ جاننے میں سہیل کو 20 سال سے زیادہ کا عرصہ لگا۔

مزدور، محنت کش اور کان کنوں کا مسیحا۔۔۔سلطان محمد خان

سلطان محمد خان کی جدوجہد کا ایک اور نمایاں پہلو محنت کش طبقے میں قانونی اور تنظیمی شعور پیدا کرنا ہے

ایک طرف وہ کان کنوں کے تحفظ اور پیشہ ورانہ صحت وسلامتی کے معاملات اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف مختلف اداروں کے ملازمین کے روزگار، تنخواہوں اور جائز مطالبات کے لیے آواز بلند کرتے ہیں

تحریر: محمد قیصر چوہان

پاکستان کی مزدور تحریکوں کی تاریخ صرف جلسے، جلوسوں، احتجاج اور نعروں کی تاریخ نہیں بلکہ ان لوگوں کی جدوجہد کی داستان بھی ہے جنہوں نے محنت کش طبقے کے بنیادی حقوق، روزگار کے تحفظ، بہتر اجرت اور کام کرنے کی جگہ محفوظ ماحول کے لیے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف کیا، جب اس جدوجہد میں بلوچستان کا ذکر آئے تو کوئٹہ میں مقیم لیبر لیڈر سلطان محمد خان کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے وہ آل پاکستان لیبر فیڈریشن کے مرکزی صدر اور پاکستان سینٹرل مائنز لیبر فیڈریشن کے مرکزی سیکرٹری جنرل ہیں، ان کی جدوجہد کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے مزدور کے مسئلے کو صرف اجرت تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کی سرگرمیوں میں روزگار کا تحفظ، لیبر قوانین پر عمل درآمد، اجتماعی سودے بازی، پیشہ ورانہ صحت و سلامتی اور خصوصاً کان کنوں کی زندگیوں کا تحفظ بنیادی شامل ہے۔ سلطان محمد خان کی مزدور سیاست اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں کا بنیادی محور یہ تصور ہے کہ محنت کش کو محض پیداوار کا ذریعہ نہیں بلکہ حقوق، عزت اور تحفظ رکھنے والا انسان سمجھا جائے۔

سلطان محمد خان کی ٹریڈ یونین سرگرمیوں کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان کی جدوجہد کسی ایک شعبے تک محدود دکھائی نہیں دیتی۔ ایک طرف وہ کان کنوں کے تحفظ اور پیشہ ورانہ صحت و سلامتی کے معاملات اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف مختلف اداروں کے ملازمین کے روزگار، تنخواہوں اور جائز مطالبات کے لیے آواز بلند کرتے ہیں۔ ان کی جدوجہد کو پاکستان کے مخصوص صنعتی اور سماجی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ مزدوروں کے مسائل کو اجتماعی آواز کے ذریعے حکومتی اور ادارہ جاتی سطح تک پہنچایا جائے۔ ان کی سرگرمیوں میں احتجاج کے ساتھ مختلف ورکشاپس، آگاہی مہم، مذاکرات اور مزدور تنظیموں کی نمائندگی بھی شامل ہے۔ ایک مؤثر مزدور تحریک صرف مطالبات پیش کرنے کا نام نہیں، اس کے لیے قانون سے آگاہی، تنظیم سازی، اجتماعی سودے بازی اور کارکنوں میں اپنے حقوق کا شعور بھی ضروری ہے، سلطان محمد خان کی سرگرمیوں میں ان پہلوؤں پر بھی توجہ نظر آتی ہے۔ سلطان محمد خان کی جدوجہد بنیادی طور پر اس سوال کے گرد گھومتی ہے کہ پاکستان کا محنت کش کس طرح بہتر اجرت، محفوظ کام کی جگہ، روزگار کے تحفظ اور باعزت زندگی حاصل کر سکتا ہے؟ بلوچستان سمیت ملک بھر کے کان کنوں سے لے کر ملک کے مختلف شعبوں سے وابستہ مزدوروں تک، ان کی ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں محنت کش طبقے کے مسائل کو نمایاں کرنے اور پھر انہیں حل کرانے کا سلسلہ جاری ہے۔ مزدور تحریک کی تاریخ میں ایسے رہنماؤں کی اہمیت اس لیے ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی آواز کو منظّم انداز میں سامنے لاتے ہیں جو اپنی روزمرہ محنت سے معیشت کا پہیہ چلاتے ہیں، سلطان محمد خان کی جدوجہد بھی اسی وسیع تر مزدور حقوق کی تحریک کا حصہ ہے ایک ایسی جدوجہد جس کا بنیادی مقصد محنت کرنے والے انسان کے لیے روزگار، تحفظ، عزت اور انصاف کا حصول ہے۔

سلطان محمد خان کی جدوجہد کا سب سے نمایاں میدان بلوچستان کی کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے کان کنیں۔ کان کنی ایسا شعبہ ہے جہاں معمولی حفاظتی غفلت بھی انسانی جان کے ضیاع کا سبب بن سکتی ہے۔ گیس کا اخراج، کان کا منہدم ہونا، ناقص حفاظتی انتظامات اور تربیت کی کمی جیسے مسائل کان کنوں کے لیے مستقل خطرہ رہتے ہیں۔ پاکستان سینٹرل مائنز لیبر فیڈریشن کے مرکزی سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے سلطان محمد خان نے ہمیشہ کان کنوں کی مشکلات اور حفاظتی انتظامات کی کمی کو نمایاں کیا ہے۔ انہوں نے کان کنی کو انتہائی مشکل کام قرار دیتے ہوئے کان کنوں کے لیے پیشہ ورانہ صحت و سلامتی، مناسب تربیت اور بین الاقوامی معیار کے حفاظتی اقدامات پر زور دیتے ہوئے کان کنی سے متعلق عالمی ادارہ محنت کے کنونشن C-176 کی توثیق کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ سلطان محمد خان نے بلوچستان کے کان کنوں کے مسائل کو مقامی احتجاج سے نکال کر قومی اور بین الاقوامی سطح پر پیش کرنے کی عملی طور پر کوشش کی ہے

سلطان محمد خان کی جدوجہد کا ایک اور نمایاں پہلو محنت کش طبقے میں قانونی اور تنظیمی شعور پیدا کرنا ہے اس حوالے سے وہ انڈسٹری آل گلوبل یونین اور آئی ایل او کے تعاون سے لیبر قوانین، اجتماعی سودے بازی اور پیشہ ورانہ صحت وسلامتی کے موضوع پر بلوچستان سمیت پاکستان کے مختلف شہروں میں ورکشاپس کا اہتمام بھی کراتے ہیں، جس میں کان کنوں اور مختلف یونینوں کے نمائندے شریک ہوتے ہیں۔ ورکشاپس میں کان کنوں کو حفاظتی آلات کے استعمال اور حفاظتی تدابیر کے بارے میں بھی تربیت دی جاتی ہے اور مزدوروں کو لیبر قوانین، اجتماعی سودے بازی اور پیشہ ورانہ صحت وسلامتی سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہ سرگرمی اس بات کو واضح کرتی ہے کہ سلطان محمد خان کے نزدیک مزدور تحریک کا مقصد صرف احتجاج کرنا نہیں بلکہ مزدور کو اپنے قانونی حقوق اور حفاظتی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا بھی ہے۔ ایک ٹریڈ یونین رہنما کا اصل امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کسی ادارے کے ملازمین کو برطرفی، کم اجرت، غیر محفوظ ماحول یا انتظامیہ کے ساتھ تنازع کا سامنا ہو۔ سلطان محمد خان کے ٹریڈ یونین کردار میں احتجاج کے ساتھ ساتھ اجتماعی مذاکرات اور قانونی حقوق پر زور بھی نظر آتا ہے۔ سلطان محمد خان کی مزدور جدوجہد دراصل اس بنیادی سوال کے گرد گھومتی ہے کہ جو انسان اپنی محنت سے صنعت، کان، ادارے اور معیشت چلاتا ہے، اسے کام کی جگہ پر کتنی حفاظت، عزت، اجرت اور سماجی ضمانت حاصل ہونی چاہیے۔ ان کے لیے کان کن کا مسئلہ صرف مزدوری نہیں بلکہ انسانی زندگی اور وقار کا مسئلہ ہے۔ اسی لیے ان کی سرگرمیوں میں لیبر قوانین، اجتماعی سودے بازی، حفاظتی تربیت، سماجی تحفظ اور بین الاقوامی مزدور معیارات بار بار سامنے آتے ہیں۔ سلطان محمد خان کی جدوجہد کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ مزدور کے حقوق محض کاغذ پر موجود قوانین سے محفوظ نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے منظّم آواز، اجتماعی نمائندگی، قانونی شعور اور مسلسل جدوجہد بھی ضروری ہوتی ہے۔ بلوچستان کی مائننگ سے لے کر قومی مزدور تنظیموں تک ان کا سفر اسی مسلسل جدوجہد کی ایک دستاویزی مثال ہے، بلاشبہ محنت کش طبقے، مزدوروں اور کان کنوں کے لیے سلطان محمد خان ایک مسیحا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

☆......☆

......میگزین رپورٹ......

وقت اور مقام کے تعین کرنے والے سسٹمز (نظاموں) پر حملہ کر کے ہماری جدید دنیا کو مفلوج کرنا کتنا آسان ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے کچھ ماہرین عملی تجربات کر رہے ہیں۔ ہیرالڈ ہاؤگلِن غیر معمولی طور پر بلند قامت شخص ہیں۔ اُن کی سفید ہوتی داڑھی، باریک فریم کے چشمے اور چہرے پر پھیلی مسکراہٹ فوراً توجہ اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ جب ستمبر 2024 میں میری ان سے ملاقات ہوئی تو جو حفاظتی جیکٹ انھوں نے پہنی ہوئی تھی اُس کی جیب پر ایک کپڑے کا بیج لگا ہوا تھا، جس پر گھڑی تھامے ایک سفید خرگوش دوڑتا دکھائی دیتا تھا۔ ہیرالڈ ہاؤگلِن ناروے کی میٹرولوجی

مستقبل کی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیکرز: اگر وقت کو 'ہیک' کر لیا گیا تو کیا ہوگا؟

جیمر فیسٹ: سیٹلائٹ سگنلز میں مداخلت کے خلاف دنیا کا سب سے بڑا تجربہ تو کیا وقت اور مقام کے تعین کے نظام پر مِمکنہ حملوں سے بچاؤ کی تیاری کی جاسکتی ہے؟

سروس میں وقت اور فریکوئنسی کی پیمائش کے شعبے کے چیف انجینیئر ہیں۔ تاہم جیمر ٹیسٹ 2024 میں شریک افراد انھیں ایک اور نام سے بھی جانتے تھے: 'شفیقِ قطبی کے شوقین'۔
ناروے کے حکام کی جانب سے ہر سال منعقد کیا جانے والا جیمر ٹیسٹ ایک منفرد کھلے ماحول میں ہونے والا ہیکنگ فیسٹیول ہے، جو آرکٹک سرکل سے تقریباً 300 کلومیٹر شمال میں واقع ایک دور افتادہ جزیرے پر منعقد ہوتا ہے۔ اس کا مقصد بظاہر سادہ، لیکن ذہن کو الجھا دینے والا ہے: سیٹلائٹ سگنلز کے ذریعے وقت کے نظام میں مداخلت کرنا اور یہ جانچنا کہ گھڑیوں سے لے کر ڈرونز تک مختلف آلات میں نصب ریسیور اس دباؤ کا مقابلہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اس تجربے کے مرکز میں وہ ٹیکنالوجی ہے جس پر جدید ڈیجیٹل دنیا کا بڑا حصہ انحصار کرتا ہے، یعنی گلوبل نیویگیشن سیٹلائٹ سسٹمز (جی این ایس ایس)۔
عموماً ہم جی پی ایس اور دیگر سیٹلائٹ نیویگیشن نظاموں کو صرف راستہ بتانے والی ٹیکنالوجی سمجھتے ہیں، لیکن ان کا ایک اور نہایت اہم کام بھی ہے: انتہائی درست وقت فراہم کرنا۔ بجلی کے گرڈز، ٹیلی کمیونیکیشن نیٹ ورکس، سٹاک مارکیٹیں، ٹرانسپورٹ کے نظام اور بے شمار دیگر اہم شعبے اپنی سرگرمیوں کے باہمی ربط اور درست ہم آہنگی کے لیے جی این ایس ایس پر انحصار کرتی ہیں۔ تاہم بنیادی ڈھانچے میں جی این ایس ایس کی یہی اہمیت اسے ایک کمزور پہلو بھی بنا دیتی ہے۔ سیٹلائٹ سے آنے والے سگنلز نسبتاً کمزور ہوتے ہیں، جنھیں

میں ناروے ان چند ممالک میں شامل ہے جو ایسے مستقبل کی تیاری کر رہے ہیں جس میں جی این ایس ایک سٹریٹجک کمزوری بن سکتا ہے۔

تو کیا وقت اور مقام کے تعین کے نظام پر ممکنہ حملوں سے بچاؤ کی تیاری کی جاسکتی ہے؟

اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے ہر سال درجنوں انجینیئرز، فزکس کے ماہرین اور سرکاری اہلکار آرکٹک کے اس دور افتادہ جزیرے کا رخ کرتے ہیں۔

جیمر فیسٹ: سیٹلائٹ سگنلز میں مداخلت کے خلاف دنیا کا سب سے بڑا تجربہ

جیمر فیسٹ کا انعقاد ناروے کے دور افتادہ جزیرے آندویا کے گاؤں بلیک میں کیا جاتا ہے۔ یہ علاقہ عموماً شمالی روشنیاں (اورورا بوریالس) دیکھنے اور ان پر تحقیق کے لیے جانا جاتا ہے۔ دلکش مناظر، آرکٹک خطے کا منفرد ماحول اور روزانہ پیش کیے جانے والے وافل اسے کسی انجینیئرنگ سمر کیمپ جیسا بنا دیتے ہیں، لیکن اس تقریب کا مقصد انتہائی سنجیدہ ہے۔
تجارتی جی این ایس ایس (عالمی سیٹلائٹ نیویگیشن نظام) ریسیورز کو مصنوعی مگر شدید مداخلت کے ماحول میں آزمانے کا تصور نیا نہیں ہے۔
امریکی فوج کئی برسوں سے نیو میکسیکو کے وائٹ سینڈز میزائل رینج میں ایسے تجربات کرتی رہی ہے، جن کا مقصد یہ جانچنا ہوتا ہے کہ جب جی این ایس ایس سگنلز میں رد و بدل کیا

اہم بات یہ ہے کہ یہ تمام تجربات کھلے ماحول میں کیے جاتے ہیں اور آندویا آنے والا ہر شخص انھیں دیکھ سکتا ہے۔ تقریب کی آخری شام شرکا اپنے تجربات اور نتائج سرکاری اور نجی شعبے کے دیگر نمائندوں کے ساتھ بھی شیئر کرتے ہیں۔
سنہ 2024 کے جیمر فیسٹ کے دوران میں کئی دن تک لکڑی کے روایتی انداز میں تعمیر کیے گئے بلیک کمیونٹی ہاؤس میں ہاگلِن کے ساتھ بیٹھا رہا۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ کافی کا کپ کہیں مہنگے الیکٹرانک آلات پر نہ گر جائے، جبکہ وہ اور ان کے ساتھی مختلف فرضی حملوں کا عملی مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان کا کام طیاروں، گاڑیوں اور صنعتی مشینری سمیت مختلف آلات کے ریسیورز کو غلط معلومات فراہم کرنا تھا۔ ان معلومات میں صرف ان کے مقام کے بارے میں ہی نہیں بلکہ اکثر درست وقت کے بارے میں بھی دھوکا دہی شامل ہوتی تھی۔
اسے یوں سمجھیں کہ اگر آپ ستمبر 2026 میں لندن میں موجود ہوں اور آپ کا جی این ایس ایس نظام سپوفنگ یا سگنل جعل سازی کا شکار ہو جائے تو آپ کے ڈیوائس کو یہ غلط معلومات مل سکتی ہیں کہ آپ دراصل پیرو کے دارالحکومت لیما میں موجود ہیں، اور موجودہ سال 2026 کے بجائے 2017 ہے۔ یعنی نہ صرف آپ کا مقام بلکہ وقت کا تعین بھی مکمل طور پر غلط ہو سکتا ہے۔

طویل المدت جیمنگ اور خاموشی سے ہونے والی سپوفنگ کے خطرات

پہلا بڑا خطرہ طویل المدت جیمنگ ہے۔ اس میں جی این ایس ایس سروس کو اتنی دیر تک مکمل طور پر معطل رکھا جاتا ہے کہ متبادل وقتی نظام بھی ناکام ہونے لگتے ہیں۔ نتیجتاً وہ ڈیجیٹل ہم آہنگی متاثر ہو سکتی ہے جس پر جدید دنیا کے بے شمار نظام انحصار کرتے ہیں، اور ایک کے بعد ایک مسائل جنم لینے لگتے ہیں۔

کوئی بجلی کا گرڈ یا جدید ڈیجیٹل نظام جی این ایس ایس کے بغیر کتنی دیر تک درست طور پر کام کر سکتا ہے، اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ حکومتیں یا کمپنیاں متبادل ڈھانچے پر کتنی سرمایہ کاری کرتی ہیں۔ اس میں عموماً زمینی بنیادوں پر قائم انتہائی درست گھڑیاں اور فائبر آپٹک کیبلز شامل ہوتی ہیں، جو وقت کی معلومات کو نہایت درستگی کے ساتھ منتقل کرتی ہیں۔
دوسرا اور اس سے بھی زیادہ سنگین خطرہ خاموشی سے جاری رہنے والی جدید نوعیت کی سپوفنگ ہے۔ اس صورت میں حملہ اتنی مہارت سے کیا جاتا ہے کہ بروقت اس کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی اسے روکا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حفاظتی متبادل نظام فعال ہی نہیں ہو پاتے۔ یہ دراصل وقت کے نظام پر مبنی ایک خفیہ حملہ ہوتا ہے، جو اچانک متعدد ڈیجیٹل نظاموں کو متاثر کر سکتا ہے۔ ان دونوں اقسام کے حملوں کا ہدف بنیادی طور پر جی پی ایس کے وقت کا نظام ہوتا ہے اور ان کے لیے انتہائی جدید اور طاقتور طریقہ کار استعمال کیا جاتا ہے، جو کسی پیچیدہ سائبر حملے سے کم نہیں ہوتے۔ اسی نوعیت کے خطرات اور حملوں کا جائزہ لینے کے لیے ہاگلِن، ناروے کی میٹرولوجی سروس اور صنعتی سطح پر درست وقت فراہم کرنے والی متعدد کمپنیاں آندویا میں منعقد ہونے والے جیمر فیسٹ میں جمع ہوتی ہیں۔ اس مشق کا مقصد یہ سمجھنا ہے کہ کسی بڑے حملے کے فوراً بعد وسیع ڈیجیٹل نظام کس حد تک کام جاری رکھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ جانچنا کہ بجلی کے گرڈز اور موبائل فون نیٹ ورکس کو سنگین مسائل کا سامنا ہونے سے پہلے کتنا وقت دستیاب ہوتا ہے، تاکہ ممکنہ خطرات کا بہتر اندازہ لگایا جا سکے۔

وقت اور مقام کے نظام کو کیسے گمراہ کیا جاتا ہے؟

جیمر ٹیسٹ 2024 کے پہلے دن دو آزمائشی پروازیں کی گئیں۔ ایک ناروے کے ریسکیو ہیلی کاپٹر کی تھی، جبکہ دوسری

بننے والی یہ بے ترتیب لکیریں کسی کاغذ پر جلدی میں بنائے گئے خاکے جیسی لگتی تھیں، حالانکہ حقیقی زندگی میں کوئی ہیلی کاپٹر ایسی حرکات نہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کرتا ہے۔
بعد میں فلائٹ ٹریکر پر یوروکنٹرول کے آزمائشی طیارے کا راستہ بھی عجیب و غریب شکلیں بناتا دکھائی دیا۔ ایسا محسوس ہوتا

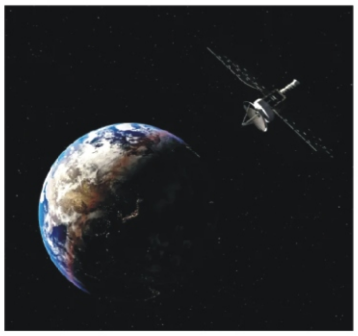

تھا جیسے وہ آسمان میں تیز اور خطرناک موڑ کاٹ رہا ہو، جبکہ حقیقت میں طیارہ شہر کے اوپر بڑے سکون سے وسیع دائروں میں پرواز کر رہا تھا۔
اگلی صبح میں نے ہاؤگلن کو اس سے بھی زیادہ پیچیدہ نوعیت کی مداخلت کرتے دیکھا۔ تقریباً 40 منٹ تک وہ اور ان کے ساتھی دھوکا دہی پر مبنی سگنل (سپوفنگ) پیدا کرنے والے آلات کی طاقت بتدریج بڑھاتے رہے۔ یعنی جعلی سگنل کو آہستہ آہستہ اتنا مضبوط بنایا گیا کہ اصل سگنل اس کے سامنے دبنے لگا، بالکل ایسے جیسے کسی نظام کو بتدریج اپنی گرفت میں لے لیا جائے، اس سے پہلے کہ اسے احساس ہو کہ کچھ غلط ہو رہا ہے۔ ہاؤگلن نے اس عمل کو ایک مشہور مثال سے تشبیہ دی، 'گویا مینڈک کو آہستہ آہستہ گرم ہوتے پانی میں رکھا جائے'۔
جیسے جیسے خفیہ اینٹینا سے خارج ہونے والا سگنل طاقتور ہوتا گیا، ہمارے اوپر دیوار پر نصب مانیٹر کی سکرین پر گوگل میپس کھلا ہوا تھا۔ وہاں ہماری موجودہ جگہ کو ظاہر کرنے والا ایک نشان آہستہ آہستہ اپنی اصل پوزیشن سے ہٹنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں نقشے پر ایسا لگنے لگا جیسے ہم ناروے کے ساحل سے نکل کر بحیرہ ناروے کے اندر جا پہنچے ہوں، حالانکہ حقیقت میں ہم اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں تھے۔

جب وقت کو 'ہیک' کیا جائے تو کیا ہوتا ہے؟

گھڑیوں پر اس قسم کی مداخلت کے اثرات کو خصوصی آلات کے بغیر دیکھنا آسان نہیں تھا۔ یہ جاننے کے لیے کہ مداخلت کے باعث وقت میں کتنا فرق پیدا ہو رہا ہے، ماہرین کو ایک ایسے جی این ایس ایس سے ہم آہنگ گھڑی کا موازنہ ایک ایسے حوالہ جاتی وقت سے کرنا پڑتا تھا جسے کسی قسم کی مداخلت کا سامنا نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے فائبر آپٹک کیبلز کے ذریعے ایک مسلسل اور محفوظ حوالہ جاتی وقت فراہم کیا جا رہا تھا۔ یہ وقت ایک ایسے جی این ایس ایس ریسیور سے حاصل کیا جاتا تھا جو ایک پہاڑ کے دوسری جانب نصب تھا، جہاں وہ مداخلت سے محفوظ رہتا تھا۔
میں ہاگلِن کے کندھے کے اوپر سے جھانک کر ایک چارٹ دیکھ رہا تھا جس میں یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ جعلی سگنلز کے زیر اثر آنے والی گھڑی وقت کے اصل معیار سے کتنی دور ہوتی جا رہی ہے۔ اس فرق کو نینو سیکنڈز میں ناپا جا رہا تھا اور چارٹ بتا رہا تھا کہ گھڑی بتدریج حقیقی وقت سے ہٹتی جا رہی ہے۔
ہاگلِن کے مطابق اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم وقت کو ایک ایسی چیز سمجھتے ہیں جو ہمیشہ درست اور یقینی ہوتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں ہم اس کے بارے میں زیادہ سوچتے بھی نہیں اور شاید ہی کبھی یہ تصور کرتے ہیں کہ وقت کو بھی ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جدید دنیا میں، جہاں بجلی کے نظام، مواصلاتی نیٹ ورکس، مالیاتی لین دین اور نقل و حمل کے متعدد نظام انتہائی درست وقت پر انحصار کرتے ہیں، وہاں وقت میں معمولی سی چھیڑ چھاڑ بھی بڑے پیمانے پر مسائل پیدا کر سکتی ہے۔

کیا ہیکنگ کا خطرہ روکا جا سکتا ہے؟

جی این ایس ایس (عالمی سیٹلائٹ نیویگیشن نظام) کا متبادل

زیادہ طاقتور اور بدنیتی پر مبنی سگنلز کے ذریعے متاثر یا گمراہ کیا جا سکتا ہے اور روس کی جانب سے یوکرین پر حملے کے بعد ایسے واقعات میں نمایاں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ اس کے سب سے واضح اثرات فضائی سفر کے شعبے میں سامنے آئے ہیں۔ رواں برس مئی میں روسی سرحد کے قریب برطانوی فضائیہ کے ایک طیارے کو جی پی ایس جامنگ کا سامنا کرنا پڑا، جبکہ ستمبر 2025 میں سویڈن کی ٹرانسپورٹ ایجنسی نے کہا تھا کہ اس نوعیت کی مداخلت روزمرہ کا مسئلہ بن چکی ہے۔ اسی تناظر

جائے تو نیویگیشن آلات کس طرح ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ تاہم یہ تجربات سخت نگرانی میں کیے جاتے ہیں اور ان کے نتائج سے متعلق معلومات بھی محدود حد تک ہی شیئر کی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس ناروے نے ایک مختلف راستہ اختیار کیا ہے۔ جیمر فیسٹ کو ٹیکنالوجی کی دنیا میں مقبول 'وائٹ ہیٹ ہیکاتھونز' کے طرز پر ترتیب دیا گیا ہے، جہاں ماہر ہیکرز سافٹ ویئر اور نظاموں میں موجود کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں تاکہ انھیں مزید محفوظ بنایا جا سکے۔

جی این ایس ایس (عالمی سیٹلائٹ نیویگیشن نظام) میں مداخلت کی بنیادی طور پر دو اقسام ہوتی ہیں۔ پہلی جیمنگ کہلاتی ہے، جس میں سگنلز کو اس حد تک متاثر یا دبایا جاتا ہے کہ نیویگیشن سروس کام کرنا بند کر دیتی ہے۔ دوسری سپوفنگ ہے، جس میں جعلی سگنلز کے ذریعے ریسیور کو غلط مقام اور غلط وقت کی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق جی این ایس ایس پر حملوں کی دو صورتیں سب سے زیادہ خطرناک سمجھی جاتی ہیں۔

ایک چھوٹے طیارے کی، جسے یورپی فضائی تحفظ کے ادارے یوروکنٹرول کے ایک پائلٹ نے اڑایا۔ میں نے دیکھا کہ کس طرح جی این ایس ایس سگنلز میں چھیڑ چھاڑ کر کے دونوں پروازوں کے ریسیورز کو غلط معلومات فراہم کی گئیں۔ نتیجتاً فلائٹ ٹریکر پر دکھائی دینے والے راستے ان راستوں سے بالکل مختلف تھے جن پر پائلٹ حقیقت میں پرواز کر رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر کی لوکیشن سکرین پر یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے وہ گھبراہٹ میں بے شمار گول چکر کاٹ رہا ہو۔ نقشے پر

تلاش کرنے یا اسے مزید محفوظ اور مضبوط بنانے کے لیے مسلسل نئی ٹیکنالوجیز پر کام کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ کو ہالِگن کی شرٹ پر بنا سفید خرگوش یاد ہے؟ یہ نہ صرف لیوس کیرول کے مشہور ناول ایلس اِن ونڈر لینڈ کے کردار کی طرف اشارہ ہے بلکہ وائٹ ریبٹ نامی ایک انتہائی دقیق وقت پیمائی کے نظام کی علامت بھی ہے۔ یہ نظام سوئٹزرلینڈ میں قائم تحقیقی ادارے سرن (سی ای آر این) نے تیار کیا ہے اور ایک نینوسیکنڈ سے بھی کم فرق کے ساتھ درست وقت فراہم کرسکتا ہے۔

'وائٹ ریبٹ' اور اس جیسے دیگر نظام عام طور پر سیٹلائٹس پر انحصار کرنے کے بجائے فائبر آپٹک کیبلز اور ایٹمی حوالہ جاتی گھڑیوں کے ذریعے وقت کی درست ترسیل کو یقینی بناتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان نظاموں میں مداخلت یا ہیکنگ کرنا بھی کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ تاہم اس شعبے کے تقریباً تمام ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ فی الحال کوئی ایک ایسا متبادل نظام موجود نہیں جو جی این ایس ایس کی فراہم کردہ تمام سہولیات اور خدمات کا مکمل نعم البدل بن سکے۔

ریزیلینٹ ٹائمنگ اینڈ نیویگیشن فاؤنڈیشن کے شریک بانی ڈانا گوورڈ کہتے ہیں کہ 'کوئی ایک جادوئی حل موجود نہیں، اسی لیے مختلف نظاموں کو ملا کر استعمال کرنا ضروری ہے۔'

گوورڈ 2013 سے جی پی ایس کے تحفظ کے لیے پالیسی سازی کی وکالت کرتے آ رہے ہیں۔ سنہ 2024 میں انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے خیال میں سپوفنگ یعنی جعلی سگنلز کے ذریعے نیویگیشن نظام کو دھوکا دینے کے واقعات مستقبل میں مزید بڑھیں گے۔

ان کے بقول، 'یہ سستا بھی ہے اور آسان بھی۔'

گوورڈ نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ خطرہ صرف حملہ آوروں سے نہیں بلکہ دیگر سیٹلائٹ نیویگیشن نظاموں سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جون 2026 میں یہ خدشات اس وقت حقیقت بنتے نظر آئے جب ماہرین کے ایک گروپ نے خبردار کیا کہ روسی سیٹ لائٹس خلا سے مداخلتی سگنلز نشر کر رہے ہیں، جن کے باعث یورپ کے مختلف حصوں میں کچھ وقت کے لیے جی پی ایس سگنلز متاثر ہوئے۔ ماضی میں جی این ایس ایس میں مداخلت عموماً کسی مخصوص علاقے یا سرحدی خطے تک محدود رہتی تھی، کیونکہ زمین سے نشر ہونے والے ریڈیو سگنلز ایک محدود فاصلے تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ مداخلت خلا سے بھی ممکن ہو گئی ہے، ماہرین کے مطابق مستقبل میں شاید دنیا کا کوئی خطہ اس خطرے سے مکمل طور پر محفوظ نہ رہے۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے ذہن میں یہ سوال آیا کہ چونکہ سکینڈینیوین ممالک کے لیے جیمر فیسٹ کا ایک اہم مقصد ممکنہ روسی خطرات کی تیاری بھی تھا، تو پھر 2024 کی یہ تقریب اتنی کھلی اور عوامی انداز میں کیوں منعقد کی جا رہی تھی؟ اگرچہ سکیورٹی انتظامات موجود تھے اور ناروے کے انٹیلی جنس اہلکار بھی وہاں موجود تھے، لیکن ان کی موجودگی نمایاں نہیں تھی۔ درحقیقت اس تقریب کا کھلا پن ہی اس کا بنیادی مقصد ہے۔ میں نے جیمر فیسٹ کے منتظمین میں شامل ناروے کی روڈز ایڈمنسٹریشن کے سینیئر انجینیئر ٹوماس لیون سے پوچھا، کیا اس کا مقصد یہ پیغام دینا بھی ہے کہ ہم زیادہ مضبوط اور تیار ہو رہے ہیں اور اس خطرے سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کر رہے ہیں؟' انھوں نے جواب دیا کہ 'بالکل۔ تو پھر آ ؤ روس، اگر تمھیں آزمانا ہے تو آزما لو۔'O

(بقیہ: جی پی ایس)

جب کوئی موبائل فون سگنل دستیاب نہ ہو۔ تاہم یہ سسٹم بھی مکمل طور پر نقائص سے پاک نہیں ہے۔ اگرچہ بیڈو پورے ایشیائی خطے میں غیر معمولی طور پر اچھا کام کرتا ہے، لیکن دنیا کے دیگر حصوں میں اُس کی درستگی کم ہونے لگتی ہے۔ اُسے اپنی کچھ انتہائی جدید صلاحیتوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جی پی ایس کے مقابلے میں زیادہ مخصوص ہارڈ ویئر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس کے باوجود چینی سسٹم کی جیو پولیٹکل (جغرافیائی و سیاسی) اہمیت اُس وقت نمایاں ہوئی جب اطلاعات کے مطابق ایران نے امریکہ و اسرائیل کے ساتھ تنازع کے دوران جی پی ایس سے ہٹ کر چینی سسٹم کو اپنانا شروع کر دیا۔ مذید براں اِس سے قبل چین پاکستان کی افواج کو بھی بیڈو تک رسائی دے چکا تھا۔ واشنگٹن کے زیرِ کنٹرول نیویگیشن نیٹ ورک پر انحصار کرنے سے گریزاں ممالک کے لیے بیڈو جیسے متبادل نہ صرف عملی فوائد پیش کرتے ہیں بلکہ زیادہ تکنیکی اور فوجی خودمختاری بھی یقینی بنا دیتے ہیں۔

روسی سسٹم

روس کے متبادل سسٹم کا نام ''گلوناس'' (GLONASS) ہے۔ بنیادی طور پر اسے سوویت دور کے دوران تیار کیا گیا۔ بعد کی دہائیوں میں جدید بنایا گیا یہ سسٹم ماسکو کو جی پی ایس سے وہی اسٹریٹجک خودمختاری دینے کے لیے ڈیزائن کیا گیا جو بیڈو چین کو فراہم کرتا ہے۔

گلوناس کی سب سے بڑی طاقت وہ انداز ہے جس میں اُس کے سیٹلائٹس زمین کے مدار میں چکر لگاتے ہیں۔ ان کی پوزیشننگ انہیں اعلیٰ عرض البلد (latitudeshigh) پر خاص طور پر اچھی کوریج دیتی ہے، جس سے یہ سسٹم شمالی علاقوں اور آرکٹک (قطب شمالی) میں خاص طور پر موثر ثابت ہوتا ہے، جہاں معیاری جی پی ایس سگنلز اکثر مدھم پڑتے یا ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس کا نقصان مگر یہ ہے کہ گلوناس دنیا کے دیگر تمام حصّوں بالخصوص خطِ استوا (equato) کے قریب جدید جی پی ایس اور بیڈو کے مقابلے میں عام طور پر کم درستگی فراہم کرتا ہے۔ روس کو تاریخی طور پر متبادل سیٹلائٹس کی ساخت اور لانچنگ کے لیے درکار بھاری اخراجات اور تیاری میں تاخیر کے مسائل کا بھی سامنا رہا ہے۔

ایک نظام سے ماورا

چین اور روس جیسے بڑے ممالک کے لیے ایک آزاد نیویگیشن سسٹم کا مالک ہونا جی پی ایس پر انحصار کم کرتا ہے۔ لیکن اب تیزی سے وہ ممالک اور کمپنیاں بھی جو جی پی ایس تک رسائی رکھتی ہیں، کسی ایک سسٹم سے آگے کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ برطانیہ میں رائل انسٹی ٹیوٹ آف نیویگیشن کے نائب صدر اور امپیریل کالج لندن کے محقق اینڈی پروکٹر کہتے ہیں: ''الیکٹرونک مصنوعات کو اب اس طرح اپ گریڈ کیا جا رہا ہے کہ وہ یورپی اور روسی سسٹمز کو بھی استعمال کر سکیں تاکہ سگنل جامنگ کی صورت میں کام بند نہ ہو......اور یہ وہ عمل ہے جس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس طرح آپکا ڈیوائس جہاں سے بھی سگنل دستیاب ہوں، حاصل کرسکتا ہے۔''

مزید بہتری؟: اب ایک نیا سوال: امریکی حکومت اب جی پی ایس کے ساتھ کیا کر رہی ہے؟ کیا مزید بہتری آ رہی ہے؟ اس سوال کے جواب میں ماہرین بتاتے ہیں، عالمی پوزیشننگ سسٹمز میں اپنی برتری برقرار رکھنے کی کوششوں میں امریکہ کے لیے ہر چیز منصوبہ بندی کے مطابق نہیں ہوئی ہے۔ جی پی ایس کی افادیت بہتر سے بہترین بنانے کے لیے چھوٹے اور کم لاگت والے نیویگیشن سیٹلائٹس کو شامل کرنے کی تجرباتی کوششوں کو امریکی اسپیس فورس نے خاموشی سے ختم کر دیا ہے......حالانکہ پہلے اِس پروگرام کو ترجیح قرار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ امریکی ماہرین کے لیے جی پی ایس سسٹم کے زمین پر مبنی حصوں (based-ground systems) کی بحالی اور انہیں جدید بنانا ایک مشکل چیلنج ثابت ہوا ہے۔ اس سلسلے میں پروکٹر کہتے ہیں ''سیٹلائٹس کو مدار میں بھیجنا تو آسان کام ہے۔ اصل مشکل حصہ زمین پر کنٹرول سسٹم قائم کرنا اور خلائی جہازوں کا انتظام سنبھالنا ہے۔'' انہوں نے نوٹ کیا ہے کہ امریکہ زمین پر موجود سسٹمز کو جدید بنانے کی کوشش کر رہا ہے جو فی الوقت 1990ء کی دہائی کے اوائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جدید ترین خلائی ٹیکنالوجی کے ساتھ اُن کی مطابقت کو بڑھایا جا سکے اور انہیں سائبر حملوں کے خلاف زیادہ محفوظ بنایا جائے۔ 8 ارب ڈالر سے زائد رقم خرچ ہونے کے باوجود یہ کام جاری ہے، کیونکہ پینٹاگون معاملات تیز کرنے کیلئے منصوبے کے ٹھیکے دار یا کنٹریکٹر، امریکی عسکری کمپنی، لاک ہیڈ مارٹن پر انحصار کر رہا ہے۔

نئے نظام: یہ یاد رہے، جی پی ایس سگنلز پانی سے نہیں گزر سکتے۔ اس لیے جیسے ہی کوئی امریکی آبدوز پانی میں غوطہ لگاتی ہے، وہ عملی طور پر اندھی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد سطح پر آنے تک اپنی حرکات وسکنات کا خود اندازہ لگا کر وہ راستہ بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے، دنیا بھر میں محققین ایسی ٹیکنالوجیز پر تحقیق کر رہے ہیں جو ایک دن جی پی ایس پر ہمارا انحصار مکمل طور پر ختم نہیں تو کم ضرور کر سکتی ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ اُمید افزا متبادل ''کوانٹم نیویگیشن'' (NavigationQuantum) ہے۔ جی پی ایس کے برعکس جو سیٹلائٹ سے سگنل موصول کر کے کام کرتا ہے، کوانٹم نیویگیشن سسٹم مسلسل اپنی ہی حرکت کی پیمائش کر کے کام کرتا ہے۔ کوانٹم فزکس کی عجیب وغریب خصوصیات کا استعمال کرنے والے انتہائی حساس سینسرز کی مدد سے یہ سسٹم ہر رفتار، موڑ اور سمت کی تبدیلی کا ریکارڈ رکھ سکتا ہے۔ اِس معلومات کو مسلسل اپ ڈیٹ کر کے یہ سسٹم سیٹلائٹس سے رابطہ کیے بغیر ہی اپنی درست پوزیشن کا حساب لگا سکتا ہے۔

یہ طریقہ کار جی پی ایس کی سب سے بڑی کمزوری کو حل کر سکتا ہے: کیونکہ جی پی ایس صرف اس وقت کام کرتا ہے جب سگنل دستیاب ہوں۔ زمین کے مدار سے باہر، جی پی ایس سگنل اتنے کمزور ہو جاتے ہیں کہ کارآمد نہیں رہتے۔ جیسا کہ بتایا گیا، پانی کے اندر کام کرنے والی آبدوزیں ان سگنلز تک بالکل رسائی حاصل نہیں کرسکتیں۔ اور فوجی تنازعات کے دوران دشمن ان سگنلز کو جام کر یا ان میں خلل (spoofing) ڈال سکتے ہیں۔

امریکی فوج پہلے سے ہی مدار میں کوانٹم نیویگیشن ٹیکنالوجی کے خفیہ تجربات کر رہی ہے۔ پروکٹر، جن کی اپنی کمپنی عالمی پوزیشننگ سسٹمز میں کوانٹم ٹیکنالوجی کے استعمال پر مشاورت فراہم کرتی ہے، کا ماننا ہے کہ ہم اس شعبے میں کوانٹم ٹیکنالوجی کی پیش رفت کی ''دہلیز پر پہنچ چکے ہیں۔'' اگر ان کا اندازہ درست ثابت ہوتا ہے، تو جو ٹیکنالوجی آگے چل کر جی پی ایس کی جگہ لے گی، وہ شاید ابھی سے اپنا وجود اختیار کر رہی ہے۔

یہ گدھے کہاں سے آئے؟

گاڑی کا نیویگیشن سسٹم کہہ رہا ہے کہ آپ اپنی منزل یعنی ہوٹل پہنچ چکے لیکن سامنے ایک کھیت ہے جہاں صرف گائیں اور گدھے نظر آ رہے ہیں۔ بعض اوقات گلوبل پوزیشننگ سسٹم ہمیں دھوکا دے جاتا ہے۔ لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ غلط کیوں ہوتا ہے؟

کسی گہری وادی یا گھنے جنگل میں جا کر سگنل کی حد (range) سے باہر نکل جانا آپ کی گاڑی کے جی پی ایس کو راستے سے ہٹانے کے لیے کافی ہے۔ لیکن گلوبل نیویگیشن سیٹلائٹ سسٹمز (GNSS) کے ناکام ہونے کی دیگر سنسنی خیز اور نقصان دہ وجوہ بھی ہیں۔ برطانیہ کے امپیریل کالج لندن کا کہنا ہے کہ GNSS جو ہوائی جہازوں، بحری جہازوں اور یہاں تک کہ سمارٹ بموں تک ہر چیز میں استعمال ہوتا ہے، سگنل بلاک ہونے (jamming)، جعلی سگنل تیار کرنے (imitation)، یا سگنل کا رابطہ منقطع ہونے (denial) سے متاثر ہوسکتا ہے۔

اسپوفنگ (Spoofing) ایک اور بڑا مسئلہ ہے جس میں جی پی ایس ڈیوائس کو دھوکا دینے کے لیے جعلی سگنل بھیجے جاتے ہیں تاکہ وہ سمجھے کہ وہ کسی اور جگہ موجود ہے۔ یورپی بزنس ایئر کرافٹ ایسوسی ایشن کے مطابق 2022ء کے دوران ہوائی جہازوں میں اس طرح کے تقریباً 50 ہزار واقعات رپورٹ ہوئے جو پچھلے سال کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ تھے۔

یہی وجہ ہے، سائنس دان اور حکومتیں ایک متبادل منصوبے پر توجہ مرکوز کر رہی ہیں اور یہاں ''کوانٹم نیویگیشن'' (QuantumNavigation) میدان میں آتی ہے۔ تاہم کوانٹم نیویگیشن سسٹمز کا فی الحال GNSS کی جگہ لینا ممکن نظر نہیں آتا۔ کوانٹم نیویگیشن کے لیے انتہائی ٹھنڈے ایٹمز (atomsUltracold) کی ضرورت ہوتی ہے اور اُس کا سامان فی الوقت کافی بڑا اور وزنی ہے۔ ماہرین کے مطابق اگر ان مشینوں کو آنے والے برسوں میں چھوٹا بنا بھی لیا جائے، تب بھی کوانٹم نیویگیشن کو مکمل متبادل کے بجائے صرف ایک سپورٹنگ سسٹم کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

مشہور برطانوی کمپنی، بی اے ای سسٹمز کی ٹیم کے رکن ہینری وائٹ جن کے اجداد نے ہوائی جہاز کی پرواز کے کامیاب تجربے پر کام کیا تھا، کہتے ہیں ''آپ اپنے سیٹلائٹ سسٹمز سے مکمل چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ واقعی بہت آسان اور کارآمد ہیں۔''

☆......☆

(بقیہ: اسلام آباد کنٹینرز سٹی)

لیکن اس کی قیمت تاجر برادری، ٹرانسپورٹرز اور عام شہری ادا کر رہے ہیں۔ آل پاکستان گڈز ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن کے مطابق ان کے ہزاروں کنٹینرز جو روزمرہ تجارتی سرگرمیوں میں استعمال ہوتے ہیں، احتجاج کے نام پر زبردستی پکڑ لیے جاتے ہیں اور پھر مہینوں تک سڑکوں کے کنارے پڑے رہتے ہیں۔ مالکان کو نہ صرف کرایہ ملتا ہے نہ ہی ان گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو بروقت ان کے کاغذات واپس کیے جاتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ٹرانسپورٹ سیکٹر میں کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے، سپلائی چین متاثر ہوتی ہے اور صارفین کو اشیاء [illegible] کی قیمتوں میں اضافے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام آباد پولیس اور ضلعی انتظامیہ کے مطابق کنٹینرز کا حصول باقاعدہ طریقہ کار کے تحت ہوتا ہے اور کرایہ ادا کیا جاتا ہے۔ تاہم ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن اس دعوے کو مسترد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ گزشتہ برسوں کے احتجاجوں کے بعد بھی انھیں کوئی رقم نہیں ملی۔ یہ تنازعہ بار بار سامنے آتا ہے مگر اس کا کوئی مستقل حل نہیں نکلتا۔ جبکہ حکومت کا موقف ہے کہ امن وامان برقرار رکھنا ریاست کی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔ اس تناظر میں وزارت داخلہ کی جانب سے چالیس کروڑ روپے کے ابتدائی فنڈز جاری کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس مرتبہ بھی اخراجات گزشتہ برسوں کی طرح ہی بھاری ہوں گے۔ پانچ سال میں ایک ارب پینتیس کروڑ روپے کی رقم نہ صرف کنٹینرز کے کرایے پر صرف ہوئی بلکہ سکیورٹی اہلکاروں کی نقل وحمل، رہائش اور خوراک پر بھی۔ ان اخراجات کا بوجھ بالآخر ٹیکس دہندگان پر پڑتا ہے جبکہ شہر کے تاجر جو روزانہ کاروبار کرتے ہیں، سڑکیں بند ہونے، مال کی آمدورفت رک جانے اور صارفین کے کم ہونے کی وجہ سے براہ راست نقصان اٹھاتے ہیں۔

ریڈ زون کو مکمل سیل کرنے کا فیصلہ اس لیے بھی اہم ہے کہ یہاں قومی اسمبلی، سپریم کورٹ، صدر ہاؤس اور سفارتخانے موجود ہیں۔ ماضی میں جب مظاہرین ڈی چوک تک پہنچ گئے تو صورتحال کنٹرول سے باہر ہو گئی تھی۔ اس لیے انتظامیہ اب پہلے سے احتیاط برت رہی ہے۔ دیگر صوبوں سے پندرہ ہزار پولیس نفری کی طلبی بھی اسی تیاری کا حصہ ہے۔ ان اہلکاروں کو سرکاری عمارتوں میں ٹھہرایا جا رہا ہے تاکہ تعلیمی ادارے متاثر نہ ہوں۔ تاہم مقامی رپورٹوں میں سکولوں کی عارضی بندش کی خبریں بھی آئی ہیں جن کی تردید حکومتی سطح پر کی گئی۔ یہ سب اقدامات مل کر اسلام آباد کو ایک ایسے قلعے میں تبدیل کر دیتے ہیں جہاں داخلہ اور اخراج سخت نگرانی میں ہوتا ہے۔ شہریوں کے لیے یہ منظر پریشان کن ہوتا ہے کیونکہ روزمرہ کی زندگی متاثر ہوتی ہے، ٹریفک جام لگ جاتے ہیں اور کاروباری سرگرمیاں رک جاتی ہیں۔

تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اسلام آباد میں کنٹینرز کا استعمال دو ہزار تیرہ کے دھرنے کے بعد تیزی سے بڑھنا شروع ہوا۔ اس کے بعد دو ہزار چودہ، دو ہزار سترہ، دو ہزار بائیس اور دیگر مواقع پر یہی طریقہ کار دہرایا گیا۔ ہر بار کنٹینرز کی تعداد بڑھتی گئی اور اب یہ ایک ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخراجات بھی بڑھتے گئے۔ مالی سال دو ہزار بائیس تئیس میں بہتر کروڑ چالیس لاکھ روپے کا ریکارڈ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ جب احتجاج طویل ہوا اور مظاہرین کی تعداد زیادہ ہو تو لاگت آسمان کو چھوتی ہے۔ موجودہ صورتحال میں بھی اگر لانگ مارچ طویل ہوا تو یہ اخراجات چالیس کروڑ سے کہیں زیادہ ہو سکتے ہیں۔

تاجر برادری کے نقصانات صرف کنٹینرز تک محدود نہیں۔ جب شاہراہیں بند ہوتی ہیں تو سامان لے جانے والی گاڑیاں روک دی جاتی ہیں، پھل سبزیاں سڑ جاتی ہیں، صنعتی خام مال فیکٹریوں تک نہیں پہنچتا اور چھوٹے دکانداروں کا کاروبار بند پڑ جاتا ہے۔ اسلام آباد کے بازاروں میں کاروباری حلقوں کا کہنا ہے کہ ہر بڑے احتجاج کے بعد انہیں کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے جو کبھی پورا نہیں ہوتا۔ حکومت کی جانب سے ان نقصانات کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا جبکہ سکیورٹی اخراجات ریاستی خزانے سے پورے کیے جاتے ہیں۔ یہ عدم توازن سیاسی استحکام اور معاشی سرگرمیوں کے درمیان گہری خلیج پیدا کرتا ہے۔

وزیر مملکت طلال چوہدری کا موقف واضح ہے کہ کنٹینرز کا حصول قانونی طریقہ کار کے تحت ہوتا ہے اور کرایہ ادا کیا جاتا ہے۔ تاہم ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن کے دعوے اس موقف کو چیلنج کرتے ہیں۔ اس تنازعے کا حل اس بات پر منحصر ہے کہ دونوں فریق باہمی اعتماد کے ساتھ بیٹھ کر طے شدہ طریقہ کار پر عمل درآمد کریں۔ جب تک کنٹینرز کے مالکان کو بروقت ادائیگی نہیں ہوتی اور ان کے کاغذات واپس نہیں کیے جاتے، یہ مسئلہ بار بار سامنے آتا رہے گا۔ اسی طرح احتجاجی جماعتوں کو بھی ذمہ دارانہ رویہ اپنانا ہوگا تاکہ امن وامان کی صورتحال خراب نہ ہو اور ریاست کو اس قدر بھاری اخراجات نہ اٹھانے پڑیں۔

اسلام آباد کو کنٹینرز سٹی کہلانا اب صرف ایک ریمارک نہیں رہ گیا بلکہ ایک حقیقت بن چکا ہے۔ ہر احتجاج کے موقع پر شہر کی سڑکیں کنٹینرز سے بھر جاتی ہیں، پولیس کی بھاری نفری تعینات کی جاتی ہے اور عام زندگی رک جاتی ہے۔ یہ منظر نامہ نہ صرف سیاسی عدم استحکام کی عکاسی کرتا ہے بلکہ معاشی لاگت کو بھی سامنے لاتا ہے۔ پانچ سال میں ایک ارب پینتیس کروڑ روپے کی رقم اگر ترقیاتی منصوبوں پر خرچ ہوتی تو دارالحکومت کی سڑکیں، صحت اور تعلیم کے شعبے بہتر ہو سکتے تھے۔ مگر سیاسی مقابلہ آرائی نے ان وسائل کو سکیورٹی پر مرکوز کر دیا ہے۔ ستائیس ستمبر کا لانگ مارچ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ انتظامیہ نے پہلے سے تیاری کر لی ہے، کنٹینرز رکھ دیے گئے ہیں، پولیس بلا لی گئی ہے اور فنڈز جاری کر دیے گئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اقدامات کتنے کارگر ثابت ہوتے ہیں اور تاجر برادری کو کتنا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

اس پورے عمل میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کنٹینرز کہاں سے آتے ہیں اور ان کے اخراجات کون برداشت کرتا ہے۔ جواب واضح ہے کہ زیادہ تر کنٹینرز ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن کے ممبران سے کرائے پر حاصل کیے جاتے ہیں یا زبردستی پکڑ لیے جاتے ہیں۔ اخراجات وزارت داخلہ کے فنڈز سے پورے کیے جاتے ہیں جو بالآخر عوام کے ٹیکسوں سے آتے ہیں۔ جبکہ تاجر برادری جو ان کنٹینرز کے اصل مالک ہیں، اکثر بغیر معاوضے کے رہ جاتے ہیں۔ یہ عدم توازن نہ صرف غیر منصفانہ ہے بلکہ طویل مدت میں ٹرانسپورٹ سیکٹر کو کمزور کرتا ہے۔ اگر حکومت باقاعدہ معاہدوں کے تحت کنٹینرز حاصل کرے اور بروقت ادائیگی کرے تو یہ تنازعہ کم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح احتجاجی جماعتیں اگر قانونی حدود میں رہ کر احتجاج کریں تو ریاست کو اس قدر سخت اقدامات کی ضرورت نہ پڑے۔

اسلام آباد کی موجودہ صورتحال اس بات کی یاد دہانی ہے کہ سیاسی اختلافات جب سڑکوں پر اتر آتے ہیں تو ان کی قیمت پوری قوم ادا کرتی ہے۔ کنٹینرز سٹی کا لیبل اب صرف ایک طنزیہ اصطلاح نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جو ہر احتجاج کے ساتھ مزید مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ ستائیس ستمبر کا لانگ مارچ اس حقیقت کو ایک بار پھر سامنے لائے گا اور اس کے بعد جب کنٹینرز ہٹائے جائیں گے تو حساب کتاب شروع ہوگا۔ کون کتنا کرایہ وصول کرے گا، کون بغیر ادائیگی کے رہ جائے گا اور شہر کے تاجروں کو کتنا نقصان ہوا، یہ سب سوالات پھر سے اٹھیں گے۔ جب تک ان سوالات کے جوابات شفاف طریقے سے نہیں دیے جاتے، اسلام آباد کنٹینرز سٹی ہی کہلاتا رہے گا اور اس کی قیمت عوام ہی ادا کرتے رہیں گے۔

علم و ادب کی پُرمغز محافل سے ڈھول کی تھاپ اور ثقافتی رقص تک

پشتون ثقافت کا ایک یادگار دن

خواتین اور بچوں کی شرکت نے تقریب کو عوامی ثقافتی میلے میں بدل دیا

اکیڈمی کی جانب سے مختلف شخصیات کی دستار بندی اور روایتی مہمان نوازی نے بہت اچھا تاثر قائم کیا

رپورٹ:
عادل اچکزئی

گزشتہ چند برسوں سے 23 ستمبر کا دن ہر سال پشتون یوم ثقافت کے طور پر منایا جاتا ہے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی پشتو اکیڈمی ثقافتی ، علمی اور ادبی سرگرمیوں کے سرخیل کے طور پر موجود رہی پشتون کلچر ڈے کی مناسبت سے پشتو اکیڈمی کوئٹہ (بلوچستان) کے زیر اہتمام ایک ایسی علمی، ادبی اور ثقافتی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں پشتون تہذیب کے کئی رنگ ایک ہی چھت تلے سمٹ آئے۔ صبح کی سنجیدہ علمی گفتگو سے لے کر شام کے روایتی اتنڑ، تھیٹر کی معنویت اور رات گئے تک جاری رہنے والی پشتو موسیقی کی محفل تک، تقریب کا ہر مرحلہ اپنی جگہ ایک الگ رنگ اور الگ کیفیت لیے ہوئے تھا۔ تقریب میں اہلِ دانش، ادیبوں، شاعروں، محققین، فنکاروں، اساتذہ، مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات، خواتین اور بچوں سمیت بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ یوں یہ اجتماع محض ایک رسمی تقریب نہیں رہا بلکہ پشتون زبان، ادب، ثقافت اور روایات سے محبت رکھنے والوں کا ایک بھرپور ثقافتی میلہ بن گیا۔ تقریب کو ترتیب وار پانچ مختلف سیشنز میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر سیشن کا موضوع اور انداز جدا تھا، لیکن ان سب کے درمیان ایک مشترک رشتہ موجود تھا اور وہ تھا پشتون ثقافت سے وابستگی، اپنی تہذیبی شناخت پر فخر اور اسے نئی نسل تک منتقل کرنے کا جذبہ۔

تقریب کا پہلا سیشن صبح گیارہ بجے تلاوتِ کلامِ پاک سے شروع ہوا۔ نعمت اللہ پشتون نے تلاوت کی سعادت حاصل کی اور یوں اس خوبصورت ثقافتی دن کا آغاز روحانی کیفیت کے ساتھ ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض عادل اچکزئی نے انجام دیے اور تقریب کے مختلف مراحل کو خوبصورتی سے آگے بڑھایا۔ تقریب کی صدارت ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر عبدالخالق مندوخیل نے کی، جبکہ سیکرٹری ایجوکیشن ہاشم خان غلزئی مہمانِ خصوصی تھے۔ پشتو اکیڈمی کوئٹہ کی جانب سے چیئرمین ڈاکٹر حافظ رحمت نیازئی تقریب میں موجود تھے، جبکہ احمد علی بیگ اور شوکت ترین نے اعزازی مہمانوں کی حیثیت سے شرکت کی۔

پہلے سیشن میں ڈاکٹر میر حسن خان اتل نے پشتون کلچر کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ ان کی گفتگو میں پشتون ثقافت کے تاریخی پس منظر، اس کی روایتی خصوصیات اور بدلتے ہوئے زمانے میں ثقافتی شناخت کو برقرار رکھنے کی اہمیت کے مختلف پہلو سامنے آئے۔ اس ابتدائی نشست نے تقریب کے پورے مزاج کی بنیاد رکھ دی۔ ایک طرف علم و فکر کی گفتگو تھی تو دوسری طرف اس بات کا احساس بھی نمایاں تھا کہ ثقافت کسی قوم کے ماضی کی محض یاد نہیں بلکہ اس کے اجتماعی شعور، شناخت اور مستقبل کا بھی اہم حوالہ ہوتی ہے۔ علمی نشست کے بعد شرکاء کے لیے چائے کا وقفہ کیا گیا، جبکہ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے لیے بھی وقفہ رکھا گیا۔

دوپہر کے وقفے کے بعد تقریب نے دوبارہ علمی اور فکری رنگ اختیار کیا۔ دوسرے سیشن کا آغاز سہ پہر تین بجے تلاوتِ کلامِ الٰہی سے ہوا، جس کی سعادت مولوی محمد یوسف نے حاصل کی۔ یہ سیشن ''پشتون کلچر، ماضی اور حال'' کے موضوع پر ایک خصوصی مذاکرے کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ نشست میں مختلف علمی، ادبی اور سماجی شعبوں سے تعلق رکھنے والی ممتاز شخصیات نے شرکت کی اور پشتون ثقافت کے تاریخی ارتقا، موجودہ صورتِ حال اور مستقبل کے امکانات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مذاکرے میں نواب زادہ حاجی لشکری رئیسانی، ریٹائرڈ پرنسپل ڈاکٹر سراج خان کاکڑ، ممتاز اسکالر اور عالمِ دین عبدالمتین اخوندزادہ، ڈائریکٹر پاکستان اسٹڈی سنٹر، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ، ڈاکٹر عثمان توبہ وال، ڈاکٹر حمیداللہ کاکڑ، محقق، رائٹر اور مترجم کامران اچکزئی، ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے ریٹائرڈ ڈائریکٹر سہیل خٹک اور پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ کے سابق سینئر پروڈیوسر سرور سودائی بطور مہمانانِ گرامی شریک ہوئے۔ مذاکرے کے دوران پشتون ثقافت کے مختلف پہلو زیرِ بحث آئے۔ زبان، ادب، روایات، سماجی اقدار اور تہذیبی ورثے کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی اہم رہا کہ جدید دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے درمیان اپنی ثقافتی شناخت کو کس طرح زندہ اور متحرک رکھا جا سکتا ہے۔ یہ محفل محض تقاریر کا سلسلہ نہیں تھی بلکہ ایک فکری مکالمہ تھا، جس میں ماضی کے تجربات کو حال کے تقاضوں کے ساتھ جوڑنے اور آنے والی نسلوں کے لیے ثقافتی ورثے کو محفوظ رکھنے کی ضرورت اجاگر کی گئی۔ اس علمی و فکری مذاکرے کی میزبانی پشتو اکیڈمی کوئٹہ کے جنرل سیکرٹری نقیب احساس نے کی۔ انہوں نے گفتگو کو مختلف پہلوؤں سے آگے بڑھایا اور مقررین کے درمیان فکری ربط قائم رکھا۔

دن ڈھلنے لگا تو تقریب کا ماحول بھی بدل گیا۔ عصر کے وقت تمام مہمانانِ گرامی، شرکاء اور دیگر حاضرین خان شہید آڈیٹوریم سے باہر نکل کر ایک بڑے اور خوبصورتی سے مزین شامیانے کی طرف آ گئے۔ یہاں پہنچتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے علمی و فکری نشست سے نکل کر تقریب نے پشتون ثقافت کے روایتی رنگوں کی دنیا میں قدم رکھ دیا ہو۔ دو ڈھولوں کی گونجتی ہوئی تھاپ اور سرنا کی سریلی آواز نے فضا کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ روایتی علاقائی اتنڑ پیش کیا گیا تو شرکاء کی دلچسپی دیدنی تھی۔ اتنڑ، ڈھول اور سرنا پشتون ثقافتی زندگی کے ان نمایاں حوالوں میں شامل ہیں جن کے بغیر خوشی اور اجتماعی میل جول کی بہت سی تقریبات کا تصور ادھورا محسوس ہوتا ہے۔

ڈھول کی تھاپ پر اٹھتے قدم، سرنا کی بلند اور مترنم آواز اور روایتی اتنڑ کے مناظر نے تقریب کو ایک ایسے ثقافتی منظر میں بدل دیا جہاں ماضی اور حال ایک ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ یہ محض تفریح کا ایک مرحلہ نہیں تھا بلکہ اپنی تہذیبی روایت کو عملی طور پر پیش کرنے کا ایک خوبصورت انداز بھی تھا۔

ثقافتی رنگوں کے بعد تقریب نے چوتھے سیشن میں فنِ اداکاری اور تھیٹر کا رخ اختیار کیا۔ اس موقع پر ''لیونتون'' کے عنوان سے پشتو تھیٹر ڈرامہ پیش کیا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے پر محیط اس ڈرامے نے حاضرین کی توجہ اپنی جانب مرکوز کیے رکھی۔ ڈرامے میں ایک معنی خیز پیغام پیش کیا گیا جس نے شرکاء کو محظوظ کرنے کے ساتھ ساتھ سوچنے کا موقع بھی فراہم کیا۔ ''لیونتون'' کے رائٹر سید آمان شاہ تھے، جبکہ مردوں اور خواتین پر مشتمل دس فنکاروں نے اس میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ فنکاروں نے اپنے کرداروں کو بھرپور انداز میں پیش کیا اور ڈرامے کے پیغام کو مؤثر طریقے سے حاضرین تک پہنچایا۔ تھیٹر کسی بھی معاشرے کے اجتماعی احساسات، مسائل اور رویوں کو فن کے ذریعے پیش کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ''لیونتون'' کی پیش کش بھی تقریب میں ایک اہم اضافہ تھی، جس نے ثقافتی سرگرمی کو محض روایت اور تفریح تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ اسے سماجی شعور کے ساتھ جوڑ دیا۔

> **یوم ثقافت کے موقع پر مہمانوں کے لیے روایتی عشائیہ، پشتون مہمان نوازی کی خوبصورت مثال، ایک ہی دن میں پشتون ثقافت کے کئی رنگ ایک اسٹیج پر جلوہ گر**

> **پشتو اکیڈمی کوئٹہ نے نئی نسل کو اپنی زبان، ادب اور تہذیب سے جوڑنے کی بھرپور کوشش کی ، بلاشک ثقافت صرف ماضی نہیں، آنے والی نسلوں کا بھی اہم ورثہ ہے**

تقریب کا پانچواں اور آخری سیشن موسیقی، شاعری اور گائیکی کے نام رہا۔ اس سیشن کی نظامت کے فرائض ذاکر زیار توال نے انجام دیے۔ علاقائی گلوکاروں نے کی بورڈ، دری اور لگن کے ساتھ پشتو فوک شاعری اور کسری غزلوں کو اپنی آوازوں میں پیش کیا۔ موسیقی کی دھنیں، پشتو شاعری کے اشعار اور گلوکاروں کی آوازوں نے رات کے اس حصے کو ایک خوبصورت موسیقائی محفل میں تبدیل کر دیا۔

ضلع قلعہ سیف اللہ سے شریف اللہ، ضلع زیارت سے محیب اللہ اور ضلع چمن سے نعیم جان (ناشناس)، نعمت اللہ ثانی اور جان محمد نے بطور گلوکار شرکت کی۔ ہر فنکار نے اپنی اپنی آواز اور انداز سے محفل کو مختلف رنگ عطا کیا۔ پشتو لوک شاعری میں موجود سادگی، جذبات اور علاقائی زندگی کی جھلکیاں جب موسیقی کے ساتھ ملیں تو محفل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی۔ شرکاء نے فنکاروں کو بھرپور داد دی اور یوں تقریب کا آخری سیشن بھی طویل عرصے تک یاد رہنے والی ایک خوبصورت محفل میں تبدیل ہو گیا۔

پشتو اکیڈمی کوئٹہ کی جانب سے تقریب میں شریک مختلف مہمانوں کے سروں پر دستاریں بھی باندھی گئیں۔ دستار بندی پشتون معاشرت میں عزت، احترام اور پذیرائی کی ایک اہم علامت سمجھی جاتی ہے۔ اس روایت کی ادائیگی نے تقریب میں ثقافتی اقدار کے عملی اظہار کو مزید نمایاں کیا۔

کوئٹہ میں خانہ فرہنگ ایران کے ڈائریکٹر سید ابوالحسن میری نے بھی تقریب میں شرکت کی۔ ان کی شرکت نے اس ثقافتی اجتماع کے دائرے کو مزید وسیع کیا اور مختلف تہذیبی و ثقافتی روابط کی ایک خوبصورت جھلک بھی پیش کی۔ تقریب کا ایک اور قابلِ ذکر پہلو یہ تھا کہ اس میں خواتین اور بچوں نے بھی بھرپور شرکت کی۔ پشتون ثقافتی لباس میں ملبوس خواتین اور معصوم بچوں کی موجودگی نے تقریب کے ماحول میں مزید رنگ بھر دیے۔ دن بھر جاری رہنے والی اس علمی، ادبی اور ثقافتی سرگرمی کے اختتام پر بھی پشتون روایتِ مہمان نوازی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود رہی۔ رات کے وقت تقریباً پانچ سو افراد کے لیے پشتو اکیڈمی کوئٹہ کی میزبانی میں پشتون روایات کے مطابق عشائیے کا اہتمام کیا گیا۔ مہمانوں کی بڑی تعداد کے لیے عشائیے کا انتظام تقریب کے منتظمین کی جانب سے بہترین میزبانی اور شرکاء کے احترام کا اظہار تھا۔ پشتون معاشرت میں مہمان نوازی کو ہمیشہ ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ اس لیے عشائیے کا یہ مرحلہ بھی تقریب کے ثقافتی مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔ یوں دن بھر جاری رہنے والی تقریب اپنے آخری مرحلے میں بھی علم، ادب اور ثقافت کے ساتھ پشتون روایات کے ایک اہم پہلو کو نمایاں کرتی رہی۔ یوں 23 ستمبر کا یہ دن پشتون ثقافت کے نام ایک ایسی یادگار داستان بن گیا جس میں علم بھی تھا، ادب بھی روایت بھی تھی، جدت بھی موسیقی بھی تھی، فکر بھی اور سب سے بڑھ کر اپنی تہذیبی شناخت سے محبت کا ایک روشن اظہار بھی۔